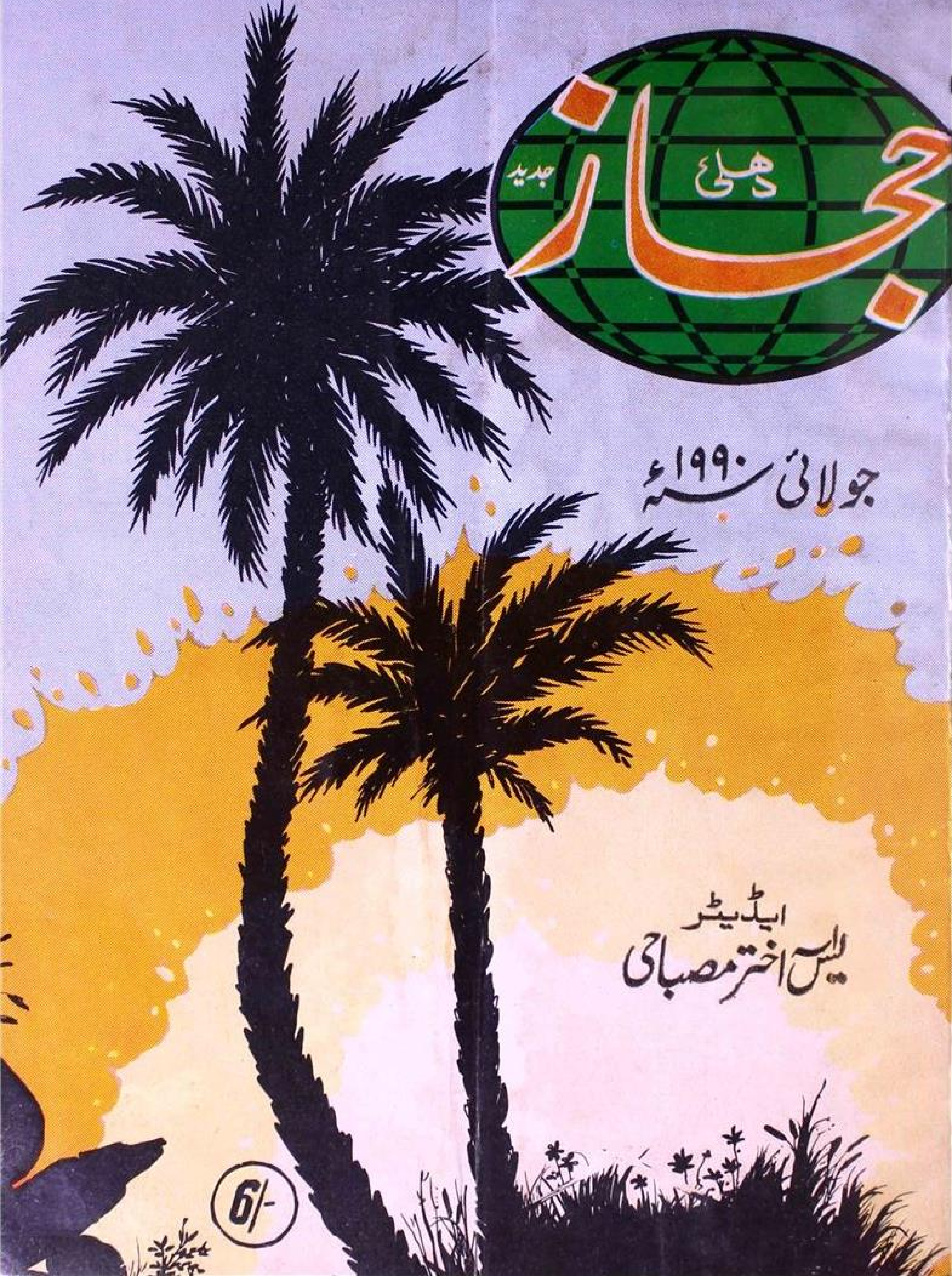
حجاز

جدید

دہلی

جولائی سنہ ۱۹۹۰ء



ایڈیٹر

ایس اختر مصباحی

6/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمانِ دین و دانش

ماہنامہ حجاز جدید، دہلی

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

زرِ اشتراک

سالانہ اعزازی ۱۰۱/= سالانہ عمومی ۶۰/=
ششماہی ۳۵/= فی شمارہ ۶/=

بیرونِ ملک

پاکستان	۲۵۰/= روپے	عمان	۸/= عمانی ریال
سعودی عرب	۸۰/= سعودی ریال	متحدہ عرب امارات	۸۵/= درہم
قطر	۸۵/= قطری ریال	برطانیہ	۲۰/= پونڈ
کویت	۷/= دینار	امریکہ	۲۲/= ڈالر
بحرین	۸/= دینار		

ذوالحجہ سنہ ۱۴۱۰ھ
مطابق جولائی ۱۹۹۰ء

جلد ۲۳ شمارہ ۷ فون: ۶۸۳۶۷۹۶

جملہ خط و کتابت و ترسیلِ زر کا پتہ
منیجر ماہنامہ حجاز جدید
۸۸۔ اسٹریٹ ۴۔ ذاکر نگر۔ نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر محمد یٰس اختر مصباحی نے ایس۔ کے آفسیٹ پریس مٹیا محل دہلی ۶ سے طبع کرا کے آفس ماہنامہ حجاز جدید ۸۸، اسٹریٹ ۴۔ ذاکر نگر۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

ڈرافٹ بہ صرف حجاز جدید منتھلی لکھیے
HIJAZ JADEED MONTHLY

تزئین:۔ عمید الزماں جلالپوری فیض آبادی

کاروانِ حجاز

مَولاےَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

علمی انحطاط اور فکری افلاس کے عبرت انگیز نمونے

اداریہ

یٰس اختر مصباحی

کسی بھی شخص کی جو اصل حیثیت اور حقیقی قدر و منزلت ہے اس کا نہ صرف اعتراف کیا جانا چاہیے بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر اس کا مناسب اظہار و اعلان بھی ہونا چاہیے۔ لیکن اس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے ایسے القاب و آداب کا استعمال جن کا وہ مستحق نہ ہو یہ ظلم ہے ان الفاظ کے ساتھ جن کا بیجا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اور بدخواہی ہے اس شخص کے ساتھ جس کی مدح و ستائش کرتے ہوئے اس کے نفس کو موٹا کیا جا رہا ہے۔

اپنے مذہبی ماحول میں شب و روز یہ افسوسناک مراحل ہمارے سامنے آتے ہیں کہ مندرجہ ذیل الفاظ کے بے دریغ اور جبری استعمال کو دیکھ کر حقیقت پسند افراد کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ اور ہر سنجیدہ مزاج آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ تصنع کا سہارا لے کر کس بے دردی کے ساتھ ان الفاظ کی گردن پر چھری پھیری جا رہی ہے۔

سحبان الہند۔ خطیب الہند۔ خطیب شہیر۔ جامع معقول و منقول۔ مناظر اہلسنت۔ آبروئے اہلسنت۔ قدوۃ العارفین۔ زبدۃ السالکین۔ قائد ملت۔ قائد اہلسنت۔ مجاہد دوراں۔ رئیس التحریر۔ ادیب شہیر۔ حسان الہند۔ شاعر اسلام۔ شاعر اہلسنت وغیرہ وغیرہ۔

کوئی قوم جب ذہنی و فکری اعتبار سے مفلس و قلاش ہو جاتی ہے تو تکلفات اور نقالیوں کے سہارے زندگی گزارنے لگتی ہے اور اپنے قد و قامت کو بلند کرنے کے لئے بیساکھیوں کا سہارا لینے لگتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ کیفیت ہے جس سے ہماری پوری قوم دوچار ہو چکی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کاغذی شیروں سے شجاعت و بہادری اور کاغذی پھولوں سے کسی خوشبو کی توقع ہی بیکار اور فضول ہے۔

آئیے آج ان چند الفاظ کا بھی مختصر جائزہ لیتے چلیں جن کا ناجائز استعمال کر کے ہم نے انھیں بے وقعت ہی نہیں بلکہ ذلیل و خوار بھی کر دیا ہے۔

علامہ اتنے معتبر اور باوقار لفظ کا تمغہ ایسے ایسے مولویوں کے سینے پر چسپاں کیا جانے لگا ہے کہ اب یہ بیچارہ "علامہ" حسرت و یاس اور رنج و الم کے ساتھ اپنے اس انجام پہ سینہ کوبی کرتا نظر آ رہا ہے۔

پروفیسر کالج اور یونیورسٹی میں تو پروفیسر بننے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں کہ اساتذہ کی تعلیمی لیاقت کی بنیاد پر اس کی ترتیب کچھ اس طرح ہوتی ہے۔ ۱۔ ٹیچر۔ ۲۔ لیکچرر۔ ۳۔ ریڈر۔ ۴۔ پروفیسر۔

لیکن ہمارے مدرسوں کے بعض خوش فہم مدرسین اپنی دانست میں بالکل اسی طرح پروفیسر بن جاتے ہیں۔ جیسے جاہل عوام علی گڑھ کے کسی کم پڑھے لکھے آدمی کو پروفیسر سمجھ بیٹھتے ہیں۔

عربی کالج کچھ مولوی حضرات اپنے مدرسہ کو مدرسہ کہتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں اور بزعم خویش اس کا وقار و معیار بڑھانے کے لئے "عربی کالج" کا نام دے کر اپنے احساس کمتری کو طشت از بام کر ڈالتے ہیں۔

عربی یونیورسٹی بعض مدارس کے ذمہ دار حضرات اتنی لمبی جست لگاتے ہیں کہ "عربی کالج" کی حدوں کو پھلانگتے ہوئے سیدھے "عربی یونیورسٹی" کی فیلڈ میں جا کر دم لیتے ہیں۔ اور لفظ "یونیورسٹی" کا تیا پانچہ کرنے میں انھیں بڑا ذہنی سکون ملتا ہے۔

کانفرنس مسلم آبادیوں میں ہونے والے "جلسے" بڑے پرانے ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب درجنوں سالانہ کانفرنسیں ہونے لگی ہیں۔ جن میں لفظ "کانفرنس" کو بر اسٹیج رسوا کیا جاتا ہے۔ اور اپنے علمی انحطاط اور فکری افلاس کے عبرت انگیز نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

وائے بر ما، وائے بر احوالِ ما

اسلام میں اخلاق کی اہمیت

محمد ادریس بستوی مصباحی

یوں تو دنیا کے تمام مذاہب میں اخلاق کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے لیکن مذہب اسلام نے اس عنوان پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ کیونکہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ جس میں ہر مسلمان کے لئے داعیانہ کردار ادا کرنے کا حکم موجود ہے۔ ارشاد و ہدایت بقدر استطاعت ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ اور یہ اہم کام اخلاق کی موثر صفت کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ بداخلاقی تنفر اور عداوت کو جنم دیتی ہے۔ کسی بداخلاق انسان کے گرد انسانی بھیڑ جمع ہو ہی نہیں سکتی۔ قرآن حکیم اس اہم نکتہ کو یوں بیان فرماتا ہے ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ اے نبی! اگر تم تندمزاج، سخت دل ہوتے، تو لوگ ضرور تمہارے گرد سے منتشر ہو جاتے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے انک لعلیٰ خُلُقٍ عظیم۔ بے شک تم خلق عظیم پر ہو۔ صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اخلاقِ رسول کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے فرمایا،

کان خلقہ القرآن

رسول کریم کا اخلاق قرآن حکیم تھا۔

عقلی طور پر اخلاق کو دو خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اخلاق کی ایک قسم وہ ہے جو گفتار سے تعلق رکھتی ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو اعمال کی بنیاد پر سمجھی جا سکتی ہے۔ اسلام نے کردار و گفتار دونوں میں خوش اخلاقی پر زور دیا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

صفتِ اخلاق چاہے گفتار سے متعلق ہو یا کردار سے اس وقت تک ناقابل تسلیم ہے جب تک کہ اس کا اظہار تنگ دستی اور خوش حالی، موافقت و مخالفت ہر حال میں اور اپنا ہو یا بیگانہ، دوست ہو یا دشمن، چھوٹا یا بڑا، امیر ہو یا غریب، سب کے ساتھ نہ ہو، مخصوص حالات اور مخصوص وقت میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ آدمی کو صاحب اخلاق ہونے کی سند نہیں دے سکتا۔ بلکہ اس پر مداومت ضروری ہے۔ کیونکہ خاص موقعوں پر انتہائی بدخلق آدمی بھی اپنی طبیعت پر جبر کر کے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ اسی وہم کو دور کرنے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ کا دریا کبھی کبھی موجزن ہوتا تھا یا مسلسل یہی کیفیت رہتی تھی؟ تو حضرت عائشہ نے فرمایا۔ لا کان عملہ دیمۃ، کبھی کبھی نہیں بلکہ رسول کی بارگاہ سے رشحاتِ اخلاق کے فوارے مسلسل جاری رہتے تھے۔

اسلام نے اخلاق کو پائیداری عطا فرمانے کے لئے قول و فعل میں تضاد کی سخت مذمت کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو کہو اسے کر کے دکھا بھی دو۔ اور اگر

ایسا نہیں کروگے تو تم سے بڑا بد اخلاق کوئی نہ ہوگا۔

اسلام نے خوش گفتاری اور خوش کرداری سے زندگی کا لمحہ لمحہ آراستہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور پیغمبر اسلام نے پوری زندگی اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا ہے عام طور سے ماتحتوں اور کمزوروں کے ساتھ خوش اخلاقی کا مظاہرہ بے حد دشوار ہوتا ہے۔ لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ جب بھی کاشانۂ نبوت میں تشریف لاتے تو چہرے پر مسرت وشادمانی کی لہریں ہوتیں۔ شاداں وفرحاں ازواج مطہرات کے پاس پہنچتے۔ اور احباب کی مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔ پیغمبر کا یہ عمل قانونِ اسلام کی وضاحت کر رہا ہے۔ اور ہمیں یہ درس دے رہا ہے کہ جب بھی آدمی گھر میں داخل ہو تو چہرے پر ناگواری کے اثرات نہیں ہونے چاہئیں۔ اور دوستوں کی محفل میں بھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھے۔ کیونکہ یہ بھی بد اخلاقی ہے۔ پوری عمر اس پر کاربند رہنے کی تعلیم دے کر پیغمبر اسلام نے اخلاق کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

حسنِ اخلاق کے لئے عیب جوئی سے بچنا بھی ضروری ہے یہاں تک کہ اگر دسترخوان پر بدمزہ اور ناپسندیدہ کھانا ہو، نمک مرچ کی زیادتی لذت کام ودہن کے بجائے زحمت کام ودہن بن رہی ہو تب بھی میزبان کے سامنے کھانے کی کوئی مذمت نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ قانون ساز پیغمبر نے کبھی کسی دسترخوان پر کھانا تناول فرمانے کے بعد اس کی مذمت نہیں کی ہے۔

عملاً اخلاق کا اظہار اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک آدمی ایثار پر تیار نہ ہو جائے۔ جہاں ایثار کا پودا لگایا جائے گا وہیں اخلاق کا سایہ راحت نظر آنے لگے گا۔ اسی وجہ سے اسلام نے ایثار کی ترغیب دی ہے۔ کیونکہ آدمی جب ایثار کرے گا تو اخلاق کا نمونہ خود بخود عالم وجود میں آجائے گا۔ ایثار درخت ہے اور اخلاق حسنہ اس کا پھل، جس طرح درخت کے بغیر پھل وجود میں نہیں آسکتا اسی طرح ایثار کے بغیر خلق حسن ناممکن ہے۔

صاحب خلق عظیم، جناب رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جاں نثار صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وقت کافی گزر گیا واپسی میں بطور احترام حضرت سعد نے اپنے بیٹے جناب قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی ہمرکابی میں بھیج دیا۔ مکان سے نکل کر سواری کے پاس پہنچنے پر عجب حال ہوتا ہے۔ آقائے دوعالم حضرت قیس سے جو نوجوان صحابی ہیں فرماتے ہیں تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔ عرض کرتے ہیں فداک ابی وامی، یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان، یارسول اللہ بھلا آپ کے برابر کیسے اونٹ پر سواری کر سکتا ہوں؟ تو سرکار دوعالم نے فرمایا۔ اگر اونٹ پر سوار نہیں ہو سکتے ہو تو بہتر ہے کہ واپس ہی چلے جاؤ۔ یعنی اسلامی اخلاق میں یہ بھی گوارا نہیں کہ آقا سوار ہو کر چلے اور غلام پیدل ہمرکاب رہے،

ایک اور سفر میں رسول پاک ایک پہاڑی درہ سے گزر رہے تھے۔ ساتھ میں حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ رحمت عالم سواری سے اتر پڑے۔ فرمایا عقبہ تم اس اونٹنی پر سوار ہو جاؤ، میں پیدل چلوں گا حضرت عقبہ نے کمال ادب سے انکار کیا تو رسول اللہ نے فرمایا یہ میرا حکم ہے تم اونٹنی پر سوار ہو جاؤ۔ اب مجالِ انکار باقی نہیں رہا۔ اور حضرت عقبہ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ ساری کائنات کے آقا پاپیادہ چل پڑے یہ ہے اسلامی اخلاق جس پر مذہب اسلام نے زور دیا ہے۔

ایک انتہائی بدکردار شخص رسول پاک سے ملاقات کے لئے آیا۔ رحمت عالم نے انتہائی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے ملاقات کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا یارسول اللہ ایسے بدکردار انسان سے بھی آپ اتنی خوش اخلاقی سے ملے۔ تو آقا نے فرمایا۔ دنیا میں بدترین شخص وہ ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

صحابی رسول حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رحمتِ عالم اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ آنے والے صحابی سے مصافحہ ومعانقہ فرمایا۔

مشہور واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ اور رضاعی باپ اور بھائی کے لئے خاص اپنی چادر زمین پر بچھادی اور باصرار ان حضرات کو اس پر بٹھایا۔

اسلامی اخلاق کا ایک شاندار نمونہ اس تاریخی واقعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۹ھ جب اسلامی لشکر فاتحانہ شان کے ساتھ یمن میں داخل ہوا تو لشکر اسلام کے خوف سے مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے عدی یمن چھوڑ کر ملک شام بھاگ گئے ان کی بہن گرفتار ہو کر مدینہ آئیں اور رسول پاک کے اخلاق کریمہ سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ واپس جا کر اپنے بھائی عدی کو رحمت عالم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ جناب عدی بہن کے مشورہ پر مدینہ منورہ حاضر ہوئے شہر مدینہ میں جناب عدی کی ملاقات رسول پاک سے ہوئی، رحمت عالم عدی کا ہاتھ پکڑ کر محبت بھرے انداز میں کاشانۂ نبوت کی طرف لے کر چلے۔ راستے میں ایک بڑھیا ملی اس نے رسول پاک کو روک کر طویل گفتگو کی۔ سرورِ کونین باین جاہ و جلال خندہ پیشانی کے ساتھ بڑھیا سے گفتگو فرماتے رہے۔ رسول اللہ کے اس خلقِ عظیم کا تیر اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا۔ گھر پہنچنے پر سرکار دو عالم نے وہ چمڑے کا گدا جس پر ایک وقت میں ایک ہی آدمی بیٹھ سکتا تھا۔ جناب عدی بن حاتم کے لئے بچھایا۔ جب کہ عدی ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔ مگر اسلامی اخلاق کے اس مظاہرہ کے بعد ان کے دل سے کفر کی سیاہی یکلخت کافور ہو گئی اور بے ساختہ پکار اٹھے۔

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اخلاق کی اہمیت کو بہت ہی زیادہ اجاگر کیا ہے۔ کیونکہ اخلاق کے بغیر کوئی بات دوسرے کے دل میں اتاری ہی نہیں جا سکتی۔ اور بہتر اخلاق کے ذریعہ پتھر کو موم کیا جا سکتا ہے۔

اخلاق کے باب میں ایثار کی ایک اور مثال سماعت فرمائیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو سامان زندگی کچھ نہ تھا۔ چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گزارا ہوتا تھا مگر دودھ پینے کا انداز یہ تھا کہ تمام مہاجر یکے بعد دیگرے دودھ پی لیتے تب ان کا بچا ہوا دودھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرماتے۔ ایک رات نبی کریم کہیں تشریف لے گئے تھے۔ صحابہ نے سمجھا آج کی شب واپسی نہ ہو گی۔ اس لئے سارا دودھ پی گئے۔ کافی تاخیر سے نبی کریم نے واپسی پر دیکھا کہ سارے برتن خالی ہیں۔ حضرت مقداد بے چین ہو گئے چھری نکال کر ایک بکری کا بچہ ذبح کرنا چاہا، سرکار نے انھیں منع فرما دیا۔ دوہی بکری کو دوبارہ دوہا گیا۔ تھوڑا دودھ حاصل ہوا۔ نبی رحمت نے اسے پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ دنیا میں ایثار و اخلاق کی ایسی مثالیں شاید ہی ملیں کہ آقا غلاموں کے پس خوردہ کو نوش کر کے شرف و منزلت کی عظیم روایات کو قائم کرتا نظر آئے۔ آج بھی اگر قائدین اپنے پیروں کے ساتھ اسی طرح کے اخلاق کا مظاہرہ کریں تو دنیا میں انقلاب بپا ہو سکتا ہے نفرت کی دیواریں ڈھ سکتی ہیں۔ امن و امان کی نسیم خوشگوار چل سکتی ہے۔

خوش اخلاقی کے باب میں یہ نہ سمجھا جائے کہ آدمی حق اور سچ بات کہنے سے باز رہ جائے۔ نہیں۔ بلکہ صحیح اخلاقی جرأت یہی ہے کہ سچائی کا اظہار کیا جائے اور برائی سے روکا جائے۔

صحابی رسول حضرت ابو شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول پاک کی چار اور صحابہ کے ساتھ دعوت کی۔ ایک صاحب از خود شامل ہو گئے۔ سرکار نے حضرت ابو شعیب سے فرمایا۔ تم نے پانچ آدمیوں کی دعوت دی ہے۔ لہٰذا یہ چھٹے شخص اگر تم اجازت دو تو ساتھ چلیں ورنہ انھیں واپس کر دیا جائے۔ جاں نثار صحابی نے عرض کیا انھیں بھی لے چلیں۔

اللہ رب العزت تمام لوگوں کو اسلامی اخلاق سے بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نسبتوں کی دنیا

افتخار احمد قادری مصباحی

نسبتوں کی دنیا عجیب دنیا ہے۔ ایک چیز کی نسبت دوسری چیز کی طرف ہو جاتی ہے تو اس کی قدر بدل جاتی ہے اس کا مقام بدل جاتا ہے اور اس کی حیثیت میں ایک طرح کا انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک لفظ نظام ہے اس کی نسبت اگر اللہ یا خدا کی طرف جاتی ہے تو الٰہی نظام اور خدائی نظام کہا جاتا ہے اور اگر اسی کی نسبت شیطان یا طاغوت کی طرف ہو جائے تو شیطانی نظام اور طاغوتی نظام کہتے ہیں۔ لفظ ایک ہے مگر نسبت نے اس کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ یہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔

ایک اجنبی عورت کو اگر کسی سے نسبت نکاح ہو جاتی ہے تو وہ اس کی ایسی رفیق زندگی بن جاتی ہے کہ جب تک یہ نسبت باقی ہے وہ کسی اور کے لئے روا نہیں ہو سکتی۔ والد اور اولاد کی طرف نسبت میں ایسا ہوتا ہے کہ اولاد والد کا احترام کرتی ہے، اور والد اولاد کے لئے شفقت و محبت کے پھول بکھیرتا ہے۔

صحابہ کرام

انسانوں کے ایک طبقہ کو کائنات کی سب سے عظیم شخصیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت حاصل ہو گئی تو ان کے سروں پر صحابیت کا تاج رکھ دیا گیا۔ ایسا تاج جو اب قیامت تک کے لئے نایاب ہو چکا ہے۔

اس عظیم رسول کی عظیم نسبت ہی کی بات ہے کہ اس طبقہ کی عظمتوں اور فضیلتوں کی گواہی قرآن نے بھی دی اور رسول نے بھی۔

قرآن کہتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (توبہ ۱۰۰)

اور اگلے پہلے مہاجرین و انصار اور جو عمدگی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

ایک اور مقام پر صحابہ کے ایک طبقہ کو فلاح و کامرانی کی بشارت دی جا رہی ہے۔

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (حشر ۹)

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر مدینہ اور ایمان میں جگہ بنا لی وہ ان سے محبت رکھتے ہیں، جو ہجرت کر کے ان کے پاس پہنچے اور اپنے دلوں میں اس چیز سے جو مہاجرین کو دی گئی، یہ لوگ

حاجت نہیں پاتے اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کی لالچ سے بچ گئے وہی لوگ کامران ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن صحابہ کو رضائے خدا کی سند عطا فرماتا ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (فتح ۱۸)

یقیناً اللہ عزوجل مسلمانوں سے راضی ہو گیا، جس وقت درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔

مہاجرین وانصار کی طرف رحمتِ خداوندی متوجہ ہو رہی ہے۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ (توبہ ۱۱)

یقیناً اللہ کی رحمتیں نبی اور مہاجرین وانصار کی طرف متوجہ ہوئیں جنھوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا۔

ان انصار و مہاجرین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ ایسے نازک موڑ اور آزمائش کے وقت پر دیا تھا۔ کہ ان کے صلہ میں ان کی جانب رحمتِ الٰہی کو متوجہ ہونا ہی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طبقہ کو سب سے بہتر قرار دیا۔

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ۔ سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں۔

صحابہ کو آپ نے آسمان کے تابندہ ستارے کی طرح بتایا۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ۔ ۱؎

میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے تم جن کی بھی پیروی کروگے صحیح راستہ پاؤگے۔

اور زبان نبوت سے صادر ہوا۔

اَللّٰہَ اللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللّٰہَ وَمَنْ آذَی اللّٰہَ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ ۲؎

میرے صحابہ کے بارے میں تم اللہ سے ڈرتے رہنا میرے بعد تم ان کو لعن طعن کا نشانہ نہ بنانا اور سنو جو ان سے محبت کریگا، تو میری محبت کے سبب ان سے محبت کرے گا اور جو اُن سے عداوت کرے گا تو میری عداوت کے باعث ان سے عداوت کرے گا اور جو اُن کو تکلیفیں پہنچائے گا وہ گویا مجھے تکلیف پہنچائے گا اور جو مجھے تکلیف پہنچائے گا وہ گویا اللہ کو تکلیف پہنچائے گا اور جو اللہ کو ایذا دینے کی کوشش کرے گا وہ اسے جلد ہی پکڑ لے گا۔

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ تمام طبقات انسانیت میں صحابہ کرام کو سب سے افضل ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنْفَقَ اَحَدُکُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلَی جَمِیْعِ الْعَالَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ ۳؎

میرے صحابہ کو برا نہ کہنا اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہ خدا میں خرچ کرے تو ان کے ایک مُد کے برابر بھی نہ ہو سکے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو انبیاء و مرسلین کے علاوہ سارے عالم پر منتخب فرما لیا ہے۔

اور فرمایا۔

مَنْ حَفِظَنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ کُنْتُ لَہٗ حَافِظًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ ۴؎

۱؎ شفاء ص ۵۳ ج ۲ مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۲؎ شفاء ص ۵۳ ج ۲ مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۳؎ شفاء ص ۵۳ ج ۲ مطبوعہ دار الفکر، بیروت
۴؎ شفاء ص ۵۳ ج ۲ مطبوعہ دار الفکر، بیروت

اور فرمایا

مَنْ حَفِظَنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ وَرَدَ عَلَیَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَّمْ یَحْفَظْنِیْ فِیْ اَصْحَابِیْ لَمْ یَرِدْ عَلَیَّ الْحَوْضَ وَلَمْ یَرَنِیْ اِلَّا مِنْ بَعِیْدٍ [1]

"اور جو شخص میرے صحابہ کے بارے میں مجھے ایذا سے بچائے گا وہ روز قیامت میرے پاس حوض پر آئے گا، اور جو میرے صحابہ کے بارے میں مجھے ایذائیں پہنچائے گا وہ حوض پر میرے پاس نہ آسکے گا"

صحابیت وہ شرف و اعزاز ہے کہ رہتی دنیا تک کوئی بڑا سے بڑا عابد و زاہد ہو سکتا ہے ولی ہو سکتا ہے۔ مگر صحابی نہیں ہو سکتا۔ جس نے ایک نظر ایمان کے عالم میں رسول علیہ السلام کو دیکھ لیا اس کو اتنا عالی مقام حاصل ہو گیا کہ اس تک کسی کی رسائی ممکن نہ رہی۔ یہ محض اس لئے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنے کی نسبت حاصل ہو گئی۔

اہل بیت

اور کچھ افراد کو اہل بیت ہونے کی نسبت حاصل ہو گئی تو ان کی شان میں آیتِ تطہیر نازل ہو گئی۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (احزاب ۳۳)

"اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے آلودگی دور کرے اور تم کو بالکل صاف ستھرا کر دے۔"

واضح رہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ حضرت فاطمہ، حضرت علی، اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

حضور اپنی آل کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مَعْرِفَةُ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَحُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَوَازٌ عَلَی الصِّرَاطِ وَالْوِلَایَةُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ اَمَانٌ مِّنَ الْعَذَابِ [2]

"آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت جہنم سے آزادی کا باعث ہے اور آل نبی کی محبت پل صراط سے گزرنے کا پاس ہے۔ اور آل محمد سے دوستی عذاب سے عافیت کا سبب ہے۔"

اس نسبت کی عظمت و رفعت کی تفصیل میں نہ جا کر آئیے دوسری نسبتوں کی طرف چلیں۔

ازواج مطہرات

عورتوں کے ایک طبقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت نکاح ہو گئی تو ان کا منصب و مرتبہ کیا ہو گیا، قرآن اس کی وضاحت کرتا ہے۔

یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (احزاب ۳۲)

"اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔"

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یعنی فیکن غیر ذالک امر لا یوجد فی غیرکن وھو کونکن امہات جمیع المومنین و زوجات خیر المرسلین وکما ان محمد الیس کاحد من الرجال کما قال علیہ السلام لست کاحدکم کذالک قرابتہ اللاتی یشرفن بہ [3]

"یعنی تم میں وہ بات ہے جو دیگر عورتوں میں نہیں پائی جاتی۔ اور وہ یہ ہے کہ تم سب مسلمانوں کی مائیں اور افضل رسل کی بیویاں ہو، جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں کی طرح نہیں ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں" اسی طرح وہ قربت رکھنے والی عورتیں جو آپ سے مشرف ہوئیں وہ بھی ممتاز ہو گئیں۔"

مفسر آلوسی رقمطراز ہیں۔ ازواج مطہرات دوسری عورتوں پر یک گونہ فضیلت اس لئے رکھتی ہیں کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] شفا ص ۵۶ ج ۲ مطبوعہ دار الفکر، بیروت
[2] شفا ص ۴۸ ج ۲ مطبوعہ دار الفکر، بیروت
[3] تفسیر کبیر ص ۲۰۸ ج ۵ مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت

سے شرفِ زوجیت اور اہل ایمان کی ماں ہونے کا امتیاز حاصل ہے [1]

علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں۔ نبی کی بیویاں دوسری عورتوں سے اس لیے بہتر اور افضل ہیں کہ ان کو نبی کی صحبت اور سنگت حاصل ہے۔ کیونکہ کسی بڑے کی طرف اگر کسی چیز کی نسبت ہوجاتی ہے تو وہ بھی بڑی ہوجاتی ہے [2]

اللہ عزوجل کی طرف سے ان عورتوں کو ساری امت کی ماں ہونے کا درجہ مل جاتا ہے۔ قرآن ناطق ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ۔ (احزاب آیت ۶)

"نبی مسلمانوں کے ان کی جان سے بھی زیادہ حقدار ہیں، اور قریب تر ہیں۔ اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں"

اس آیت میں ایک طرف حضور علیہ السلام کو مسلمانوں کی خود ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حقدار اور قریب تر بتایا گیا ہے۔ تو دوسری طرف یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان کی ازواج مطہرات بھی عام عورتوں کی طرح نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر مومن کے لئے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ حقدار اور اولی ہوں۔ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو۔

النبی اولی بالمؤمنین الخ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "وازواجه امهاتهم" کے بعد یہ بھی ہے "وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ" کہ آپ کی ازواج تو اہل ایمان کی مائیں ہیں۔ اور آپ ان کے باپ ہیں [3]

یہ ہے نسبت کا نتیجہ اور اثر کہ ایک اجنبی عورت کو اگر حضور سے نسبتِ نکاح ہوگئی تو وہ ساری امتِ مسلمہ کی ماں بن گئی ___ قرآن اسی پر بس نہیں کرتا۔ بلکہ ان ازواج مطہرات کی حرمت وعزت کو اور عظمت دیتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا۔

(احزاب، آیت ۵۲)

"اور تمھیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد بھی کبھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، یقیناً یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں اہل ایمان کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی ایسا کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہو یا جس سے آپ کو تکلیف پہنچے۔ مثلاً آپ کی ازواج مطہرات سے کوئی کبھی بھی نکاح نہیں کرسکتا نہ تو آپ کی ظاہری زندگی میں اور نہ ہی آپ کی رحلت کے بعد، کیونکہ اس میں آپ کی حرمت اور وقار کی پامالی ہے۔ آپ امت کے باپ اور ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں۔

آگے لکھتے ہیں۔

والحاصل انه يجب على الامة ان يعظموه عليه السلام ويوقروه في جميع الاحوال في حال حياته وبعد وفاته بقدر ازدياد تعظيمه وتوقيره في القلوب يزداد نور الايمان [4]

"حاصل یہ ہے کہ امت پر حضور علیہ السلام کی تعظیم فرض ہے اور اسے ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہے آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے وصال کے بعد بھی، کیونکہ دلوں کے اندر جتنی آپ کی تعظیم بڑھے گی، اسی قدر ایمان کا نور بڑھے گا"

مفسر آلوسی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں ___ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اتنی خطرناک بات ہے جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ مزید یہ کہ آیت واضح کرتی ہے کہ رسول کی ظاہری زندگی میں بھی اور آپ کی رحلت کے بعد بھی آپ کی تعظیم واحترام امتِ مسلمہ پر فرض ہے۔ [5]

---

[1] روح المعانی ص ۳ ج ۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
[2] روح البیان ص ۱۶۹ ج ۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت
[3] روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۳۰
[4] روح البیان ص ۲۱۶ ج ۷
[5] روح المعانی ص ۷۳ ج ۲۲

اور اس طرح بحکم خداوندی ازدواج مطہرات [کی] حرمت اور عظمت اتنی بڑھ گئی کہ ان سے کوئی [ک]سی بھی نکاح نہیں کر سکتا۔ یہ محض اس لئے [کہ] ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے [ن]سبت نکاح ہو گئی۔

امت محمدیہ

ایک امت کو ایک عظیم رسول کی طرف [ن]سبت ہو گئی تو اس امت کو دنیا کی سب سے [ا]فضل امت ہونے کا منصب حاصل [ہو] گیا۔ اور قرآن اس کی افضلیت کی شہادت [د]ینے لگا۔

کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ [تَا]مُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنہَونَ [عَ]نِ المُنکَرِ۔ (آل عمران، آیت ۱۱۰)

"تم ساری امتوں میں بہترین امت ہو تم لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [نے] اس امت کو اعزاز بخشا۔

انتم توفون سبعین امۃ انتم [خ]یرھا واکرمھا۔ [1]

"تم ستر امتوں کے برابر ہو گے لیکن ان میں بھی تم بہتر اور شریف تر ہو گے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [م]زید فرمایا مجھے وہ سب کچھ عطا کیا گیا [ہ]ے جو کسی اور نبی کو نہ ملا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ وہ کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا

نصرت بالرعب واعطیت مفاتیح الارض وسمیت احمد وجعل التراب لی طہورا وجعلت امتی خیر الامم [2] ۔

"رعب کے ذریعہ مجھے توانائی بخشی گئی، زمین کی ساری کنجیاں مجھے عطا کی گئیں اور میرا نام احمد رکھا گیا۔ مٹی میرے لیے پاک کی گئی کہ اس سے طہارت کا کام بھی لیا جا سکے اور میری امت کو سب سے بہتر اور افضل امت بنایا گیا۔

کل روز قیامت اس امت کو ایک امتیازی پوزیشن یہ ملے گی کہ ان کے آگے آگے ان کا نور دوڑ رہا ہو گا۔

قرآن بیان کرتا ہے۔

یَومَ لَا یُخزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِینَ اٰمَنُوا مَعَہٗ نُورُھُم یَسعٰی بَینَ اَیدِیھِم وَبِاَیمَانِھِم یَقُولُونَ رَبَّنَا اَتمِم لَنَا نُورَنَا۔ (تحریم، آیت ۸)

"اس روز اللہ عز وجل نبی اور ان پر ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرے گا (بلکہ ان کو یہ اعزاز عطا کرے گا کہ) ان کا نور ان کے آگے اور دائیں دوڑ رہا ہو گا۔ وہ اپنے پروردگار سے عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہمارے نور کو کمال تک پہنچا۔"

"نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میں روز قیامت دیگر امتوں کے درمیان بآسانی اپنی امت کو اس طرح پہچان لوں گا کہ ان کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے اور ان کے سجدوں کے نشانوں سے پہچان لوں گا۔ اور اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ ان کے آگے آگے ان کا نور دوڑ رہا ہو گا قرآن ایک دوسری جگہ اس نور کا ذکر کرتا ہے۔"

یَومَ تَرَی المُؤمِنِینَ وَالمُؤمِنَاتِ یَسعٰی نُورُھُم بَینَ اَیدِیھِم وَبِاَیمَانِھِم بُشرٰکُمُ الیَومَ جَنّٰتٌ تَجرِی مِن تَحتِھَا الاَنھٰرُ خٰلِدِینَ فِیھَا ذٰلِکَ ھُوَ الفَوزُ العَظِیمُ۔ (حدید، آیت ۱۲)

اس دن تم اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو اس عالم میں دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں دوڑ رہا ہو گا۔ آج اے ایمان والو! تمھارے لئے ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی تم ان میں ہمیشہ رہو گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔"

---

[1] ترمذی، ابن ماجہ، دو مسند امام احمد
[2] مسند امام احمد بن حنبل

میدان حشر میں یہ نور گویا اس امت کا علامتی نشان ہوگا بزم محشر میں اس امت کو ایک دوسرا اعزاز یہ ملے گا۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔ (بقرہ ۱۴۳)

"اور بات یوں ہی ہے کہ تم نے تم کو افضل امت بنایا کہ تم لوگوں پہ گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے گواہ بنیں۔"

میدان قیامت میں اگلی پچھلی سارے امتوں کا مجمع ہوگا۔ رب تعالیٰ پچھلی امتوں سے سوال فرمائے گا کہ تمہارے رسول نے تم تک میرا پیغام پہنچایا یا نہیں؟ امتیں کہیں گی کہ نہیں، نہیں، پھر رسول سے پوچھا جائے گا تم نے تبلیغ کردی، رسول عرض کریں گے ہاں یارب! اللہ تعالیٰ پوچھے گا اس کا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے وہ رسول عرض کریں گے۔ ہاں یااللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو بلایا جائے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا۔ اس نبی نے کیا اپنی امت کو میرا پیغام پہنچا دیا؟ امت محمدیہ عرض کرے گی ہاں یارب! پھر ان سے پوچھا جائے گا۔ تمھیں کیسے اس کا علم ہوا؟ امت محمدیہ کا جواب ہوگا۔ ہمارے نبی، اور ان پر نازل ہونے والی کتاب نے ہمیں بتایا ہے کہ پچھلے رسولوں نے اپنی اپنی امتوں اور قوموں کو خدا کا پیغام پہنچایا ہے۔ یہ ہے امت محمدیہ کی گواہی،

گویا اس امت کو روز قیامت یہ عظیم اعزاز حاصل ہوگا کہ پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی۔

امت محمدیہ سب سے بہتر وافضل، یہی امت کل روز قیامت انبیاء کے حق میں گواہ ___ یہی امت صاحب نور، اور اس طرح سے اس کے لیے جانے کتنے امتیازات واعزازات ___ یہ محض اس لیے کہ اس امت کو ایک عظیم نبی کی نسبت حاصل ہوگئی ہے۔

محبوب کی ادائیں

جس طرح ایک امت کو ایک عظیم رسول سے نسبت ملی تو وہ امت دیگر امتوں میں ممتاز ہوگئی۔ اسی طرح بعض اداؤں کو بھی اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب بندہ سے نسبت ہوگئی تو اس ادا کو رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حصہ بنا کر دوام بخش دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام لغزش کے بعد جب دنیا میں اتارے گئے تو انھوں نے اپنے مالک کی بارگاہ میں اپنا سر جھکا دیا، اور پیشانی زمین سے رگڑنے لگے۔ یہ ادا قدرت کو اتنی پسند آئی کہ معبود حقیقی نے اپنی عبادت کا جز بنا دیا۔ اور نماز کا ایک اہم فرض قرار دے دیا۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کی حقیقت پر کبھی آپ نے غور کیا۔ یہ بھی ایک محبوب بندی حضرت ہاجرہ والدۂ حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی ایک ادا ہی تو ہے۔

حضرت اسمٰعیل اپنی ننھی سی عمر میں پیاس سے تڑپ رہے ہیں ماں کی ممتا کو کیسے قرار مل سکتا ہے حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ، اور مروہ سے صفا تک بھاگ دوڑ کر رہی ہیں۔ پھر رب تعالیٰ کی مشیت سے چاہ زمزم نمودار ہوتا ہے۔ جو آج بھی حج وعمرہ کا ایک لازمی حصہ ہے۔

مقام ابراہیم کیا ہے۔ یہی نا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر قدم رکھ کر کعبہ مقدسہ کی تعمیر کی تھی اس پر آپ کے قدم مبارک کا نشان آگیا۔ یہی پتھر مقام ابراہیم ہے جس کے بارے میں قرآن کا حکم ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی

(بقرہ، ۱۲۵)

"ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بنالو۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر اپنے قدم مبارک رکھ دیئے۔ اس پتھر کو یہ اعزاز مل گیا کہ وہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ وہاں نماز پڑھنے کی ایک گونہ فضیلت بتائی جارہی ہے۔

صرف اس لیے کہ ایک جلیل القدر نبی کے قدم سے یہ پتھر مَس ہو گیا ہے۔ ہاں ہاں اس نبی کے مس میں بلا کی تاثیر ہے۔

اشیاء میں نسبت کی عظمت

اسی طرح کی کچھ چیزوں کو ہمارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ملی ہے۔ تو پھر ان کی رفعتوں میں کس قدر اضافہ ہوا ہے اسے بھی ملاحظہ کریں۔

شیخ قاضی عیاض رقمطراز ہیں [1]

حضرت صفیہ بنت نجدہ بیان کرتی ہیں۔ ابو محذورہ کے سر کے اگلے حصہ میں بالوں کی ایک اتنی لمبی لٹ تھی کہ جب وہ بیٹھتے تو وہ زمین سے لگنے لگتی۔ ان سے کہا گیا آپ اسے کاٹ کیوں نہیں لیتے انھوں نے جواب دیا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مس فرمایا ہے۔ اس لیے میں اسے کیوں کر کاٹ سکتا ہوں۔

ایک روز حضرت خداش بن ابو خداش مکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیالے میں کھانا کھاتے دیکھا انھوں نے آپ سے وہ پیالہ تبرکاً لے لیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت خداش کے یہاں تشریف لے جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے اسے آب زمزم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے [2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس کو عرفہ اس لیے بھیجا کہ یہ خالد بن سفیان کو قتل کر ڈالیں۔ حضرت نے اسے قتل کیا اور اس کا سر لے کر ایک غار میں داخل ہو گئے۔ حضرت عبداللہ غار سے نکل کر اٹھارہ دن بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور خالد کے سر کو سامنے رکھ کر واقعہ کی تفصیل بتائی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک عصا تھا آپ نے یہ عصا حضرت عبداللہ کو دیتے ہوئے فرمایا۔

تَخَصَّرْ بِهٰذِهٖ فِی الْجَنَّةِ "جنت میں اس عصا پر ٹیک لگانا"

یہ عصا حضرت عبداللہ کے پاس ہی رہا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ یہ عصا ان کے کفن میں رکھ کر دفن کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ [3]

حضرت عتبان بن مالک انصاری خزرجی کا بیان ہے کہ میری بینائی جاتی رہی۔ میں نے ایک شخص کو بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ حضور میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے مکان میں نماز پڑھ دیں تاکہ آپ جس جگہ نماز پڑھیں میں بھی اسی جگہ پر نماز پڑھا کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ میرے یہاں تشریف فرما ہوئے اور میرے مکان میں نماز پڑھی [4]

ان مثالوں پر غور کرنے سے اس نتیجہ تک بآسانی پہنچا جا سکتا ہے کہ ایک معمولی چیز کو بھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی طرح کی نسبت مل جاتی ہے تو وہ چیز معمولی نہیں رہ جاتی۔ اس کی حیثیت بدل جاتی ہے اور اس کا مقام کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔

مقدس مقامات

بلاشبہ مکہ حرم ہے اس کی حرمتوں اور عظمتوں کا کون ایسا مومن ہوگا جو قائل نہ ہوگا۔ لیکن ایک مقام پر جب رب تعالیٰ اس شہر کی قسم یاد کرتا ہے تو اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود گرامی سے اپنی قسم کو اس طرح تقویت دیتا ہے۔

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد آیت ۱ پ ۳۰)

"مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس میں تشریف فرما ہو"

امام رازی اس کی مختلف تفسیریں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اس شہر کی قسم اس لیے یاد کی کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔ [5]

---

[1] شفا ص ۵۶ ج ۲
[2] اصابہ، ترجمہ خداش
[3] حیاۃ الحیوان از دمیری، وزرقانی علی المواہب باب ہجرۃ المصطفیٰ وصحابہ
[4] صحیح مسلم کتاب الایمان
[5] تفسیر کبیر ص ۱۷۹ ج ۳۱

علامہ اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں۔

والحال انك یا محمد حال فی مكة نازل فیها قید اقسامه تعالی بمكة بحلوله علیه السلام فیها اظهار المزید فضلها فانها ان كانت شریفة بنفسها ازداد شرفها بحلول النبی العظیم الشریف فیها فما الاشرف فیه یحصل له شرف بشرف المكین وما فیه شرف ذاتی یحصل له شرف زائد فمحل قدمی النبی علیه السلام لمكة والمدینة وغیرهما ینبغی ان یحافظ علی حرمته [1]

"مجھے اس شہر کی قسم اس وجہ سے ہے کہ آپ اس میں تشریف فرما ہیں۔ رب تعالیٰ نے مکہ کی قسم کے ساتھ حضور کے قیام کو اس لیے جوڑا کہ اس کی فضیلت و عظمت میں اضافہ ہو سکے۔ مکہ اگرچہ بذاتِ خود بھی عزت و حرمت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی سرزمین پر عظمت و شرافت والے نبی کے تشریف رکھنے کی وجہ سے اس کی شرافت اور بزرگی اور بڑھ گئی۔ جو مقام حرمت سے خالی ہو، اس کو مکین کی عزت و حرمت سے عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جس میں پہلے ہی سے حرمت و عزت موجود ہو اس کو اگر کوئی اور فضیلت مل جاتی ہے تو اس کی عظمت دوبالا ہو جاتی ہے، اس لئے مکہ و مدینہ وغیرہ کے جس جس مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑے ہیں ان کی حرمت کا تحفظ ضروری ہے۔"

جس کا حاصل یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس مقام پر "مکہ" کی قسم اس لئے یاد کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہونے سے اس کی عظمت میں یک گونہ اضافہ ہو گیا۔ ساتھ ہی اس عبارت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس قسم کے مقامات کی حرمت کو تحفظ و استحکام دینا چاہیے۔ اور ان کی حفاظت و صیانت کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ان کو کتابوں کی دنیا میں محفوظ کر دیا جائے۔

---

[1] روح البیان ص ۴۳۲ ج ۱۰،



(صفحہ ۳۵ کا بقیہ)

مکانات جو تمہیں عزیز ہیں (تو اگر یہ چیزیں) زیادہ پیاری ہیں تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں محنت و جانبازی سے تو منتظر رہو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ کر دے (اور تم کو اس کی سزا مل جائے) اور اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو ہدایت کی نعمت عطا نہیں فرماتا۔"

(توبہ، ع، ۳)

پس معلوم ہوا کہ مومن دراصل وہ ہے جو راہ خدا میں جاں نثاری کو اور دینِ حق کے لئے جدوجہد کرنے کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب و مرغوب سمجھے۔

کیا ہم مسلمان آج اللہ کی خوشنودی کی خاطر اور دنیا کے شر و فساد سے نجات پانے کی خاطر اپنی خواہشوں کی اور نفسانی لذات کی قربانی دیتے ہیں؟

آج کی یہ عید ــــ قربانیوں اور ایثار کی یاد تازہ کرنے والی عید ہم سے کیا مطالبہ کرتی ہے؟ ــــ کیا سوال کرتی ہے؟ کیا ہم اپنے بزرگ انبیاء کرام کی پوری طرح تقلید کر رہے ہیں ــــ یا صرف رسمی طور پر ان کی یادگار منا رہے ہیں؟ ــــ جس کے سبب آج ہم خیرِ امت ہونے کے بجائے دنیا کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں۔ ــــ

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا نے زمیں پر آسماں سے ہم کو دے مارا

خیابانِ حجاز

تضمین بر کلام بیدم وارثی

اوجؔ اعظمی

بیانِ وحیِ الٰہی ہے گفتگوئے رسول
کلامِ حق ہے دلیلِ کمالِ خوئے رسول
یہ مہر و ماہ ہیں عکسِ جمالِ روئے رسول
"عدم سے لائی ہے ہستی میں آرزوئے رسول
کہاں کہاں لئے پھرتی ہے جستجوئے رسول"

عدوئے رب اسے کہئے جو ہے عدوئے رسول
ہے شرحِ سورۂ واللیل وصفِ موئے رسول
گلِ بہشت کی بو ہے رہینِ بوئے رسول
"خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزوئے رسول
خوشا وہ آنکھ کہ ہو محوِ حسنِ روئے رسول"

درِ حبیب کے انوارِ دل رُبا کی قسم
دیارِ طیبہ کی دیوارِ پرضیا کی قسم
چلے جو باغِ مدینہ میں اس ہوا کی قسم
"تلاشِ نقشِ کفِ پائے مصطفےٰ کی قسم
چُنے ہیں آنکھوں سے ذراتِ خاکِ کوئے رسول"

فدائے شاہِ رسولاں کا پوچھنا کیا ہے
جہاں میں مردِ مسلماں کا پوچھنا کیا ہے
حبیبِ رب کے ثنا خواں کا پوچھنا کیا ہے
"پھر ان کے نشۂ عرفاں کا پوچھنا کیا ہے
جو پی چکے ہیں ازل میں مئے سبوئے رسول"

نہیں ہے فکر، کوئی ہمنوا ہوا نہ ہوا
سوا ہے مجھ سے غریبوں کو آسرا ان کا
سکونِ قلب و جگر، مصطفےٰ کی مدح و ثنا
"بلائیں لوں تری اے جذبِ شوق! صلِّ علیٰ
کہ آج دامنِ دل کھنچ رہا ہے سوئے رسول"

کسی سے گلشنِ بغداد خلد منظر ہے
کسی سے رونقِ اجمیر و بزمِ کلیر ہے
جہاں میں جو بھی جہاں ہے وہ لعل و گوہر ہے
"شگفتہ گلشنِ زہرا کا ہر گلِ تر ہے
کسی میں رنگِ علی ہے کسی میں بوئے رسول"

ہو اوجؔ! میرا مقدر بھی اوج پر اس دم
لگاؤں آنکھوں میں جس دم نبی کی خاکِ قدم
نہ کوئی مونس و یاور، نہ کوئی ہو ہمدم
"عجب تماشا ہو میدانِ حشر میں بیدمؔ
کہ سب ہوں پیشِ خدا اور میں روبروئے رسول"



مرد وعورت کا اسلامی معیار

بدر عالم مصباحی، نجرڈیہہ۔ وارانسی

اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ مذہب ہے۔ اس کا ہر اصول مکمل ضابطہ حیات اور لائق معیار ہے۔ اس کے تمام اصول وضوابط پر رحمت عالم مصلح اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابہ کرام نے عمل کرکے دکھادیا ہے۔ انھیں اصول میں مرد وعورت کا اسلامی معیار بھی ہے۔ جس کو خداوند قدوس وسبوح نے بڑے واضح اور حسین انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (احزاب پارہ ۲۲)

بے شک مسلمان مرد اور عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبردار اور فرمانبرداریں اور سچے اور سچیاں اور صبر والے اور صبر والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں اور اپنی پارسائی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں، اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان سب کے لئے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔
(کنز الایمان)

قرآن حکیم نے ان آیات میں اسلامی مرد وعورت کے معیار متعین فرمائے ہیں جو بندہ اس معیار پر اتر جائے وہی خالق کائنات کا محبوب بندہ ہوگا۔ ان آیات میں اسلامی مرد وعورت کی "دس صفات" مذکور ہیں۔ اگر ہر بندۂ مومن ان صفات سے متصف ہو جائے تو سماج ومعاشرہ کی جملہ خرابیاں بہت آسانی سے دور ہوسکتی ہیں اور ہماری سوسائٹی کے فاسد عناصر یکسر ختم ہوسکتے ہیں۔ اور دنیا میں ایک بار پھر اسوۂ حسنہ زندہ ہوسکتا ہے۔

دور حاضر کا مسلمان اگر ان صفات کو اپنالے تو حقیقی معنوں میں کہا جاسکتا ہے کہ مومن قرآن کی صحیح تصویر ہے۔ اسی لئے تو جب محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں حضرت عائشہ سے پوچھا گیا، تو فرمایا۔ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن۔ رسول کا خلق قرآن ہے۔

اب ذیل میں ہر صفت کی قدرے

تشریح کی جاتی ہے۔ مولائے لم یزل تمام مسلمانوں کو ان صفات کا حامل بنائے۔ آمین

۱۔ اسلام اللہ اور رسول کے فرمودات عالیہ پر سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہے۔ یہ صفت جس بندے میں پائی جائے گی مرد ہے تو اسے مسلم کہا جائے گا اور عورت کو مسلمہ اور اس صفت کا ثبوت عمل سے بھی ضروری ہے۔

۲۔ ایمان خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر یقین رکھتے ہوئے ان کے اوامر و نواہی کو بھی برحق ماننے کا نام ایمان ہے۔ یہ صفت جس بندۂ خدا میں پائی جائے گی اسے شریعت کی زبان میں مرد کو مومن اور عورت کو مومنہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ قنوت۔ یہ وہ صفت ہے جس کے ذریعہ بندہ غایت خلوص وانکساری کے ساتھ خدا و رسول کی اطاعت میں لگا رہتا ہے جس بندے میں یہ صفت پائی جائے وہ مرد ہے تو قانت اور عورت ہے تو اسے قانتہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ صدق۔ وہ صفت ہے جو بندے کے کردار و گفتار قول و عمل میں یکسانیت پیدا کر دے۔ یعنی جو زبان پر ہو وہی دل میں بھی ہو۔ اور عمل میں بھی ہو۔ حاصل یہ ہے کہ صدق کا تعلق زبان دل عمل سب سے ہے۔ ان تینوں میں مطابقت ہو جائے تو صفت صداقت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور اس صفت کے حامل افراد کو صادق اور صادقہ کہا جاتا ہے۔ اس صفت کی ضد کو نفاق کہا جاتا ہے یعنی دل میں کچھ اور ہو اور زبان پر کچھ اور اس صفت کے حاملین کو منافقین کہا جاتا ہے،

۵۔ صبر:۔ یہ وہ صفت ہے جو بندے کو استقلال اور استقامت کا پیکر بنا کر خواہشات نفسانی کے تیز و تند جھونکوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رکھے۔

صبر حبس النفس عن المکارہ کا نام ہے یعنی نفس کو بری اور ناگوار چیزوں سے روکے رکھنے کا نام صبر ہے۔ جس بندے میں یہ صفت پائی جائے اس کو صابر اور اگر عورت ہو تو اس کو صابرہ کہا جاتا ہے، ان بندوں کا بڑا عظیم رتبہ ہے ان کے ساتھ رب تبارک و تعالیٰ کی نصرت و اعانت رہتی ہے۔ فرمان خداوندی ہے ان اللہ مع الصابرین۔

۶۔ خشوع۔۔ اطاعت خداوندی میں حضور قلب کے ساتھ لگے رہنے کو خشوع کہتے ہیں اس کے اظہار کمال کے لئے بہترین ذریعہ نماز ہے درحقیقت نماز حقوق خداوندی کا عنوان اور نمائندہ عمل ہے۔ لہٰذا صفت خشوع کا اظہار مکمل طور پر نماز ہی میں ہو سکتا ہے اسی لئے قرآن نے اس صفت کو فلاح و بہبود کا ذریعہ بتایا ہے ارشاد ربانی ہے

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون۔

وہی مومن کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں حضور قلب رکھتے ہیں اس صفت کا حامل وہ بندۂ مومن ہے جس کے قلب و جسم دونوں بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں اور فروتنی و عاجزی کا پیکر ہوں۔

یہی وہ صفت ہے جو بندے کو غرور و استکبار خود نمائی و انانیت کے ابھرتے ہوئے سر کو کچل کر بندے کو عبدیت کے اعلیٰ مراتب پر فائز کرتی ہے۔

۷۔ تصدیق:۔ یہ وہ صفت ہے جو بندے کو اللہ کی راہ میں اپنے پسندیدہ جان و مال اور اولاد کو صدق دل سے قربان کرنے پر راضی برضا کرتی ہے اللہ کی راہ میں جو مال صدق دل سے خرچ کیا جاتا ہے اس کی تین شکلیں ہیں (۱) زکوٰۃ یہ اس بندے پر ہے جو صاحب نصاب ہو اور مال نصاب پر سال گزر گیا ہو تو اس میں سے کچھ حصہ کو قانوناً اور لازماً نکالنا فرض ہے اس کے ادا نہ کرنے والوں کے لئے قرآن حکیم و احادیث نبویہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں (۲) صدقہ فطرہ بھی صاحب نصاب بندے پر ہے اپنی جانب سے اور اپنی نابالغ اولاد کی جانب سے دینا واجب ہے اس کے لئے سال گزرنا شرط نہیں (۳) صدقہ نافلہ یہ صدقہ اگرچہ بندے پر لازم و واجب نہیں لیکن اس کے ذریعے سے بندے کو صلہ رحمی، اخوت و محبت کی جانب رغبت مقصود ہے تاکہ بندہ اپنی ذاتی خواہشات پر قابو پاکر ایثار و فیاضی کے اعلیٰ کردار کا نمونہ بنے اور اپنے بھائیوں کی ضرورت پوری کرکے حق مسلم کا اخلاقی فریضہ ادا کرے یہ

تمام صدقات بندۂ مومن کو دنیا کی طرف مائل ہونے سے روکتے ہیں اور اس کا رشتہ آخرت سے جوڑتے ہیں اس صفت کے حاملین افراد کو متصدق اور متصدقہ کہا جاتا ہے۔

۸۔ صوم :- صبح صادق سے لے کر غروب شمس تک کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا نام صوم ہے یہ وہ صفت ہے کہ جو بندے کی شہوات نفسانی کو پست کرنے کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ اور جنسی جذبات کی ہیجانی کیفیت کو توڑنے کی اس میں بے پناہ تاثیر موجود ہے جو بندے کو صابر و شاکر بننے کی ٹریننگ دیتی ہے۔ یعنی بندہ روزے کی حالت میں تمام اشیاء خورد و نوش کے باوجود کھانے کی چند نعمتوں اور پانی کے چند قطروں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔

اور جونہی شام ہوتی ہے طرح طرح کی نعمتوں سے محظوظ ہو کر اپنے مالک حقیقی کا شکریہ ادا کرتا ہے اس صفت کے حامل افراد کو صائم اور صائمہ کہا جاتا ہے۔

۹۔ حفاظت شرمگاہ :- شرمگاہ کی حفاظت دنیا کی پھیلتی ہوئی برائیوں کے لئے سد باب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بندہ اپنی دنیا میں سلامت روی اور عزت و آبرو کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ دو چیزوں کی حفاظت کرے ایک شرمگاہ دوسری زبان یہ وہ صفت ہے جو بندے کی عفت و عصمت کا بہترین ذریعہ ہے بندے کی عفت و عصمت اس کے اخلاقی وقار و کردار کا بیش بہا جوہر ہے۔ آج سماج و معاشرت و سوسائٹی کی جملہ خرابیاں اسی صفت کو کھو دینے کے سبب پیدا ہوتی چلی جا رہی ہیں اسلام نے صرف اسی پر زور نہیں دیا ہے بلکہ اس کے مرکز پر بھی پوری روک لگائی ہے ارشاد رسول ہے انسان غیر محرم کو نہ دیکھے کیونکہ آنکھ کسی چیز کو دیکھتی ہے تو دل اس کے اثرات کو قبول کرتا ہے پھر اس کا اثر شرمگاہ تک پہنچتا ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر حیوانی شہوت بیدار ہوتی ہے پھر وہ اللہ کے حدود کو توڑتا ہے اور اپنے اخلاق و کردار عزت و وقار کو تباہ برباد کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام مسلمانوں کو اس صفت کا حامل بنائے اور پھیلتی ہوئی برائیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

۱۰۔ ذکر خداوندی :- یہ وہ صفت ہے کہ جب بندہ اپنے مالک حقیقی کے انعامات و کرامات پر بنظر صحیح تجزیہ کرتا ہے تو ہر وقت اپنے رب کی یاد میں ہمہ تن مشغول رہتا ہے اور اسی کو اپنی زندگی کی معراج تصور کرتا ہے صحیح بھی یہی ہے کہ ذکر خداوندی تمام عبادات کی اصل اور بنیاد ہے درحقیقت نماز کی فرضیت ذکر خداوندی کو قائم رکھنے ہی کے لئے ہوئی ارشاد ربانی ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو لہٰذا ہر بندۂ مومن کو چاہیے کہ اس صفت کو حاصل کرنے کے لئے بالخصوص نماز کا غایت درجہ اہتمام کرے اور نماز اتنی کثرت سے پڑھے کہ ذکر خداوندی بندۂ مومن کا وظیفہ بن جائے۔ رب کریم ہم تمام مسلمانوں کو ان صفات کا حامل و مصداق بنائے۔ آمین

مناجات

مری آنکھوں کو یارب چہرۂ نور الہدیٰ دیدے
جبینِ قلب کو پائے حبیب کبریا دیدے
سگِ در کو نہیں کچھ چاہیئے اس کے سوا یارب!
سکونت میں اسے بس کوچۂ خیر الوریٰ دیدے
درِ خواجہ پہ پہونچا دے درِ غوث الوریٰ دیدے
شہِ کونین کی دہلیز تک یہ سلسلہ دیدے
مقدر کو مرے بس کیف عشق مصطفےٰ دیدے
مری وابستگی کو دامن احمد رضا دیدے
قناعت، سادگی، علم و عمل، عشق شہ بطحا،
طریق حافظ ملت پہ جینے کی ادا دیدے
وہ جس نے لذت ذکر نبی کی چاشنی بخشی،
اسی پر مرشدوں پہ میرے حق میں فیصلہ دیدے
لرز جاتے ہیں کفر و شرک و بدعت نام سے جس کے
اسی کی راہ پر چلنے کا مجھ کو حوصلہ دیدے

الحاج میکل اتساہی بلرام پوری (ایم پی)

حجۃ الوداع اور اسلامی سیاست

یٰسین اختر مصباحی

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَۃَ الۡحَآجِّ وَ عِمَارَۃَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ کَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ جٰہَدَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ لَا یَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ (توبہ ـ ۱۹) تو کیا لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی خدمت کرنے کو اس کی طرح سمجھ لیا جو اللہ و یوم آخرت پر ایمان لایا۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ سب اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔

اور مذکورہ آیت سے پہلے کی ایک آیت میں اس کا ارشاد ہے وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوۡمَ الۡحَجِّ الۡاَکۡبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۬ۙ وَ رَسُوۡلُہٗ (توبہ ـ ۳) اور اللہ و رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن سب لوگوں میں اعلان ہے کہ اللہ مشرکین سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی۔

کسی تفسیر و توضیح آیاتِ مذکورہ سے پہلے اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت ان آیات کے پیش کرنے کا میرا مقصد کسی فرد یا جماعتِ کلمہ گو کو مشرک ثابت کرنا ہے اور نہ ہی اس کے منکرِ خدا و یوم آخرت ہونے کے دلائل دینے ہیں۔ بلکہ اس وقت صرف ان باتوں کی طرف قارئین کا ذہن منتقل کرنا چاہتا ہوں کہ خدمت و پاسبانی حرم کی آڑ میں حجاج کرام کی توہین و تذلیل یا ان پر بیجا پابندیاں عائد کرنا یا جائز و مہذب طریقے سے کفار و مشرکین کی مذمت یا سواد اعظم کے معمولات و مراسم کو بزورِ طاقت روکنا خالص اتباعِ نفسانیت ہے جو روحِ اسلام و قرآن کے صریحاً خلاف ہے۔

مشرکین سے براءتِ خدا و رسول کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ توبہ کی شانِ نزول کے بارے میں حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی تحریر فرماتے ہیں۔

یہ سورہ ۹ھ میں فتح مکہ سے ایک سال بعد نازل ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیرِ حج مقرر فرمایا اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجمع حجاج میں یہ سورہ سنانے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ نے دس ذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر ندا کی۔ یا ایھا الناس! میں تمہاری طرف رسول کریم کا فرستادہ آیا ہوں۔ لوگوں نے کہا۔ آپ کیا پیغام لائے ہیں تو آپ نے تیس یا چالیس آیتیں اس سورہ مبارکہ کی تلاوت فرمائیں پھر فرمایا میں چار حکم لایا ہوں۔

۱۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک کعبہ معظمہ کے پاس نہ آئے۔

۲۔ کوئی شخص برہنہ ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف نہ کرے۔

۳۔ جنت میں مومن کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔

۴۔ جس کا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عہد قائم ہے وہ عہد اپنی مدت تک قائم رہے گا۔ اور جس کی مدت معین نہیں ہے اس کی میعاد چار ماہ پر تمام ہو جائے گی۔

مشرکین نے یہ سن کر کہا کہ اے علی! اپنے چچا کے فرزند (یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو خبر دے دیجئے کہ ہم نے عہد پسِ پشت پھینک دیا۔ ہمارے ان کے درمیان کوئی عہد نہیں ہے بجز نیزہ بازی و تیغ زنی کے۔ (خزائن العرفان)

حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام سے متعلق جو آیت ہے اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"مراد یہ ہے کہ کفار کو مومنین سے کچھ نسبت نہیں۔ نہ ان کے اعمال کو ان کے اعمال سے۔ کیوں کہ کافر کے اعمال رائیگاں ہیں۔ خواہ وہ حاجیوں کے لئے سبیل یا مسجد حرام کی خدمت کریں ان کے اعمال کو مومن کے اعمال کے برابر قرار دینا ظلم ہے (تفسیر خزائن العرفان)

شانِ نزول کے بارے میں لکھتے ہیں ــ "بدر کے روز جب حضرت عباس گرفتار ہو کر آئے تو انھوں نے اصحابِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ تم کو اسلام اور ہجرت و جہاد میں سبقت حاصل ہے تو ہم کو بھی مسجدِ حرام کی خدمت اور حاجیوں کے لئے سبیلیں لگانے کا شرف حاصل ہے۔ اس پر آیت نازل ہوئی اور آگاہ کیا گیا کہ جو عمل ایمان کے ساتھ نہ ہوں وہ بیکار ہیں۔ (خزائن العرفان)

سنہ ۱۰ھ میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر نکلنے لگے تو شرفِ ہمرکابی کے لئے سارے مسلمان امڈ پڑے۔ ازواج مطہرات بھی ساتھ ہو گئیں۔ مقام ذوالحلیفہ جو اہلِ مدینہ طیبہ کا میقات ہے وہاں آپ نے ایک رات قیام فرمایا۔ جہاں آپ نے غسل فرما کر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور قِران کا احرام باندھ کر باآوازِ بلند یہ تلبیہ کرنے لگے۔ لبیک اللھم لبیک۔ لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک۔ لاشریک لک۔ اے اللہ! ہم تیرے سامنے حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم حاضر ہیں۔ تعریف اور سب نعمت تیری ہی ہے اور سلطنت بھی تیری ہی ہے۔

صحابۂ کرام کو بھی حکم تھا کہ وہ بلند آواز سے یہ

کریں۔ قصواء نامی اونٹنی پر جب آپ سوار ہوئے اور وہ کھڑی ہوئی تو پھر آپ نے بلند آواز سے تلبیہ کیا۔ اور پورے راستے تلبیہ کرتے رہے۔ فرض نماز کے بعد اور شب کے آخری حصہ میں ضرور تلبیہ فرماتے۔ بالخصوص جب کوئی قافلہ ملتا یا کسی ٹیلہ یا نشیب سے گزر ہوتا تو آپ ضرور تلبیہ فرماتے۔ ٹیلہ پر چڑھ کر تین تین بار تکبیر بھی بلند آواز سے کہتے۔ فتح مکہ کے سفر میں جن منازل میں آپ نے نماز ادا کی تھی۔ وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنائی تھیں۔ جہاں آپ نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تک کا یہ مبارک سفر حجۃ الوداع نو دن میں طے ہوا۔

خطبہ حجۃ الوداع میں حمد و صلوٰۃ اور ترغیب طاعت و تقویٰ کے بعد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جان و مال کی حرمت۔ ادا امانت، جاہلیت کے سود، وخوں بہا کے مسائل بیان فرمائے پھر یہ بشارت دی کہ اس زمین پر اپنی عبادت سے شیطان بالکل مایوس ہوگیا ہے۔ اس کے بعد بارہ مہینوں میں سے چار حرام مہینوں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کا ذکر فرمایا۔ پھر آپ نے عورتوں کے حقوق بتلائے کہ وہ مردوں کے ہاتھ میں امانت ہیں اس لئے ان کی حفاظت کی جائے اور ہدایت دی کہ کوئی شخص بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور کسی کی اجازت و مرضی کے بغیر کوئی کسی کا مال نہ لے۔ مسلمان آپس میں قتل و قتال نہ کریں اور کتاب اللہ کو ہرگز نہ چھوڑیں۔ تمہارے باپ ایک ہیں اور تم سب اولادِ آدم ہو جو مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت و کرامت والا وہ شخص ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر تقویٰ و پرہیزگاری کے بغیر کوئی فضیلت نہیں۔ بالکل آخر میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کرے اس پر اللہ اور اس کے فرشتے اور سارے انسانوں کی لعنت ہے ــ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اس خطبہ کے اندر قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زائد حجاج کرام کو جو تعلیمات دی ہیں اور جن امور و معاملات کے اندر آپ نے ہدایات جاری کی ہیں وہ سب کی سب اصطلاحی ارکان و مناسکِ حج کے علاوہ وہ مسائلِ حیات ہیں جن کا انسان کی عام زندگی سے تعلق ہے۔ جو اس بات کی واضح و بیّن دلیل ہے کہ ایامِ حج میں ان سارے معاملاتِ زندگی کا ذکر سنتِ رسول ہے جو مسلمانانِ عالم کی زندگی اور ان کی صلاح و فلاح سے متعلق ہوں اور صالح نیت و اسلامی تہذیب و شرافت کے ساتھ عالمِ اسلام کے اجتماعی و سیاسی و علمی و صنعتی امور پر غور و خوض اور ان کی دعوت و تبلیغ روحِ ارکان و مناسکِ حج کے عین مطابق ہے جس پر قدغن لگانے کا کسی فرد و حکومت کو کوئی حق نہیں۔ نہ ہی اس کا کوئی شرعی جواز ہے کہ ایسی کسی بات پر دار و گیر اور ملک بدری کے احکام صادر کرکے تحفظ حرم کے نام پر اپنے مخصوص حکومتی مفادات کی پاسبانی کی جائے۔

اسی خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا ــ "اے لوگو! تمہاری جان تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے کے لئے قیامت تک اتنی ہی مقدس اور قابلِ احترام ہیں۔ جتنا یہ دن (یوم عرفہ) یہ مہینہ (ذوالحجہ) اور یہ شہر (مکہ)۔ (روایت بخاری و ابوداؤد)

خطبہ حجۃ الوداع کا ذکر کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں ــ "تقریباً ایک لاکھ مجمع کو بیک وقت خطاب کیا ــ اور سب نے سمعاً و طاعةً کہا۔ آپ کے بعد خلفائے راشدین اور دوسرے خلفاء زمانہ صحابہ کرام و ائمہ اعلام نے اسی طرح سال بہ سال جمع ہو کر احکامِ اسلام کی تلقین و تبلیغ کی خدمت ادا کی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ نت نئے واقعات و مسائل کے متعلق دنیا کے مختلف گوشوں میں اسلام کے جوابی احکام و فتویٰ پہنچتے رہے۔ اور پہنچتے رہتے ہیں۔ (ص ۳۸ ــ حج نمبر سہ روزہ دعوت نئی دہلی۔ ۴ / اگست ۱۹۸۷ء)

موسمِ حج کو سیاسی و تنظیمی ادارہ کا عنصر قرار دیتے ہوئے اس سے پہلے اس طرح اظہارِ خیال کر چکے ہیں۔

"مسلمان ڈیڑھ سو برس تک ایک نظم حکومت یا خلافت کے ماتحت رہے۔ یہ حج کا موسم ان کے سیاسی و تنظیمی ادارہ کا سب سے بڑا عنصر رہا۔ جس میں امورِ خلافت کے تمام اہم معاملات طے پاتے تھے۔ اسپین سے لے کر سندھ تک مختلف ملکوں کے احکام اور والی جمع ہوتے تھے اور خلیفہ کے سامنے مسائل پر بحث کرتے تھے اور طریقِ عمل طے کرتے تھے اور مختلف ملکوں کی رعایا آکر اپنے والیوں اور حاکموں سے جو کچھ شکایتیں ہوتی تھیں تو ان کو خلیفہ کی عدالت میں پیش کرتی تھی اور انصاف پاتی تھی (ص ۳۷ ــ ۳۸ ــ حج نمبر دعوت نئی دہلی)

اور فرماتے ہیں کہ حج کی مرکزیت ہی کا ــ "اثر تھا اور ہے کہ معمولی سے معمولی مسلمان بھی جو اپنے ملک سے باہر کی دنیا دیکھ آتا ہے۔ زمانہ کے رنگ کو پہچاننے اور سیاست کی پیچیدگیوں کو سمجھنے لگتا ہے ــ بین الاقوامی معاملات میں دلچسپی لیتا ہے۔ اور دنیا کے ہر اس گوشہ کے حالات سے جس کے منارہ سے اللہ اکبر بلند ہوا اس کو خاص ذوق ہوتا ہے اور اسی کا اثر ہے کہ ہر مسلمان دنیائے اسلام اور اسلامی ملکوں کے حالات واقعات کے لئے بے چین نظر آتا ہے۔

(ص ۳۸ حج نمبر)

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے خطیب خصوصی مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کے صاحبزادے مولانا جعفر شاہ پھلواری ندوی حج ہی کے سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"یہ ایک ایسی عالمی بین الملی کانفرنس ہے جو بیک وقت روحانی بھی ہے اور قومی و سیاسی بھی۔ یہ محض ایک ثواب کا کام اور یاترا نہیں ہے بلکہ اقطارِ عالم کے تمام مسلمانوں کے درمیان ثقافتی، سیاسی، معاشی، تجارتی، تعلیمی اور سائنسی روابط کا ذریعہ بھی ہے۔

(ص ۲۶ حج نمبر دعوت نئی دہلی)

سیاستِ اسلامی کو اسلام سے جدا کرنے والے سعودی حکمراں آج مذکورہ ساری باتوں کا انکار کرتے ہوئے بڑے ہی کبر و نخوت کے ساتھ کہتے ہیں کہ دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے لاکھوں حجاج صرف حج کرکے اپنے وطن لوٹ جائیں۔ اس کے علاوہ انھیں کسی بھی دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں خواہ وہ اسلام کے لئے کتنا بھی ضروری ہو اور اس کی طرف توجہ دلانے کا انداز کتنا بھی معقول و مہذب اور سنجیدہ و تعمیری کیوں نہ ہو۔

ہاں ایامِ حج میں اگر کوئی فرد یا جماعت لڑائی جھگڑا

اور ہنگامہ پروری پر آمادہ ہے۔ کوئی شخص فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتا ہے۔ حجاج کرام کو تنگ وپریشان کر رہا ہے۔ اس کی بے ہودہ حرکتوں سے تقدسِ حرم کی پامالی ہو رہی ہے اور اس کی سرگرمیوں سے حجازِ مقدس کا امن وسکون غارت ہو رہا ہے تو قرآن کریم کے حکم صریح کے مطابق اسے بزور طاقت ان مذموم حرکتوں سے روکا جاسکتا ہے بلکہ روکنا ضروری ہے جس پر عالم اسلام کو ہرگز کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اور مناسکِ حج کی ادائیگی کے فوراً بعد اسے اس مقدس سرزمین سے باہر کر دیا جانا چاہیئے۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرہ ـ ۱۹۷) تو حج کے دوران نہ کوئی شہوانی فعل ہو نہ گناہ اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا۔

لیکن حق وباطل، حسن وقبیح، نیک وبد، اور خوب وناخوب کے جانچنے کا پیمانہ سارے حجاج کے لئے ایک ہونا چاہیئے۔ اور ایسا نہ ہو کہ اپنے بلاک اور جماعت وجمعیت کا کوئی شیخ وعالم کوئی بات کہے تو اسے مذہب قرار دیا جائے اور وہی بات اگر کوئی دوسرا شخص کہے تو اسے سیاست کہہ دیا جائے۔ اس دورخی پالیسی کو عالم اسلام ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔

سعودی عرب کی مساجد میں جمعہ کے جو خطبے دیے جاتے ہیں ان کا موضوع ومواد سب کچھ اوپر سے منظور شدہ ہوتا ہے۔ حکومتِ سعودیہ کی مذہبی وسیاسی پالیسی ہی کی ان میں ترجمانی ہوتی ہے اور اس سے الگ ہٹ کر کوئی خطیب وامام کوئی ایسی بات کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا جو اس کی منشا ومرضی کے خلاف ہو۔ افغانستان میں روسی مداخلت کی مذمت وملامت خود میں نے کئی بار ریاض کی بعض مساجد میں خطیبِ جمعہ سے سنی۔ جو اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے اور ہر مسلمان کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیئے۔ اور اس بات کو کوئی بھی مسلمان خلافِ مذہب نہیں کہے گا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی خطیب اگر لبنان میں اسرائیلی مداخلت کی مذمت کرے اور اسرائیل کے آقا امریکہ کے خلاف اظہارِ نفرت کرے تو اسے بھی درست اور صحیح کہا جائے گا لیکن حکومت آلِ سعود کی یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ اس کا ہر خطیب روس کی مذمت کرے اور اس سے نفرت وبیزاری کا اعلان کرے تو عینِ اسلام ہے۔ لیکن اگر کوئی خطیب بھولے سے بھی امریکہ کی مذمت کر دے تو وہ عین سیاست بن جائے۔ یہ کہاں کا مذہب، یہ کہاں کی دانشمندی اور یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اور سعودی حکمرانوں کی اس جبری سیاست کی فریاد کس سے کی جائے؟۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

جب کہ اسلام میں مذہب وسیاست کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنے اور سیاست کو مذہب سے جدا کر کے ملوکیت وشہنشاہیت وآمریت کی پشت پناہی کرنے بلکہ انھیں گوارہ کرنے کا کوئی تصور نہیں کیوں کہ اسلام زندگی کے سارے شعبوں پر حاوی ومحیط ہے اور خانگی امور سے لے کر انتظام مملکت وحکومت تک کی ہر تعلیم وہدایت اس کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ میدانِ عرفات کی مسجدِ نمرہ میں خطبہ دیتے ہوئے خود امام حج نے کہا۔ ”دین ہو یا دنیا ہر گوشہ میں اسلام اور شریعت کو جاری وساری رکھنا چاہیئے۔ اسی میں ہماری نجات ہے اور اسی پر عمل کر کے ہمیں دنیا وآخرت میں سرفرازی حاصل ہو سکتی ہے۔“ (ہفت روزہ ”نئی دنیا“ دہلی ۲۵ تا ۳۱ اگست ۱۹۸۶ء)

ساتھ ہی فرماتے ہیں ـــ ”آج دینِ اسلام کو سب سے زیادہ خطرہ گروہِ منافقین سے ہے۔ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر دین کے ہمدرد بن کر اسلام اور امتِ مسلمہ کی تباہی کے درپے ہیں۔ مسلمانوں کو ان دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔ (حوالہ مذکور)

اور فرماتے ہیں ـــ ”داعیانِ حق کو ان گمراہ کن نظریوں، نعروں اور افکار سے بچنا چاہیئے۔ کیوں کہ یہ دین میں بگاڑ پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ داعیانِ اسلام کو ان کے ساتھ گروہِ منافقین سے بھی خبردار رہنا چاہیئے جو کہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر دین کے ہمدرد بن کر اسلام اور امتِ مسلمہ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

(حوالہ مذکور)

واضح ہو کہ خاص ایام حج میں لاکھوں حجاج کرام کو خطاب کرتے ہوئے یہ ساری تعلیمات وہدایات امام حج کی جانب سے جاری کی جا رہی ہیں۔ اور خطبہ کے الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ اشارہ مسلمانوں ہی کی کسی خاص جماعت وفرقہ یا چند جماعتوں وفرقوں کی جانب ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے مذہب کا نام دیا جائے یا سیاست کہا جائے یا شیعانِ سعود کا تبرّا۔؟

میدانِ عرفات کی مسجدِ نمرہ کے اندر امام حج اپنے خطبہ میں جو کچھ ارشاد فرمائیں وہ خالص مذہب ہے اور وہی بات ان کے مقتدی اس مسجد سے باہر نکل کر کسی مجلسی گفتگو میں بھی دہرا دیں تو خالص سیاست بن جائے۔ اور آنِ واحد میں اس پر فردِ جرم عائد کر کے پابندِ قید وسلاسل بنا دیا جائے! کیا اس کا جواز شریعتِ اسلامی کے حکم سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔؟

ہونا تو یہ چاہیے کہ اگر یہ بات غلط اور مبنی بر سیاستِ دنیاوی تھی تو سب سے پہلے امام کی گردن پکڑی جائے۔ کیوں کہ اسی نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اور اپنے خطبہ کے ذریعہ مقتدیوں کو اس کام پر ابھارا ہے لیکن سعودی عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔ امام بالکل آزاد ہے اور اس کے جرم کی سزا مقتدی کو دی جا رہی ہے۔ عقل ودیانت کا یہ کون سا ضابطہ اور دین یا دنیا کا یہ کون سا اصول ہے۔؟

یہ راز اہلِ سیاست ہمیں بھی سمجھائیں
امام جرم کرے مقتدی سزا پائیں



قربانی کے حقائق

غلام رسول سعیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

ترجمہ: بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور موت اللہ ہی کے لیے ہے جو رب ہے تمام جہانوں کا۔

اس آیت کریمہ نے بھرپور جامعیت کے ساتھ اسلام کے مخصوص اسلوب پر روشنی ڈالی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ بندہ کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، مرنا جینا سب کچھ اللہ ہی کی خاطر ہو۔ محسوسات کے طلاطم میں زندگی کا ہر کام اللہ کے لیے ہو اور اعمال کی بھیڑ میں انسان کا ہر عمل اللہ کی خاطر ہو۔

اگر شوق کے ہنگاموں سے دل مچلنے لگے تو عجز کی پیشانیاں اس بے نیاز کے قدموں میں جھکنے کے لئے بڑھ جائیں۔ اگر کسی کے نام پر سر کٹنے کا سودا ہو تو اس پر زندگی نثار کی جائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسی کے حکم پر سر چھری کے نیچے رکھ دیا۔ بدر کی تپتی ہوئی زمین پر بیشمار صحابہ نے اسی کا نام بلند کرنے کے لیے برچھیاں کھائی تھیں اور کربلا کے سلگتے ہوئے ریگ زاروں میں اسی کی خاطر حسین رضی اللہ عنہ نے گلا کٹایا تھا۔ یہ عشق و محبت کی مہربانیاں اور حسن ازلی کی بے نیازیاں ہیں کہ وہ اپنے بندے کی لگن کو جانتا ہے اور اس کے شوق تپش کو پہچانتا ہے اسے معلوم ہے کہ یہ امتحان کے موقع پر ڈگمگانے والے قدم اور مظلم سے اشک اگلنے والی آنکھیں نہیں ہیں مگر پھر بھی وہ امتحان لیتا ہے۔ کبھی آگ کے شعلوں میں گھرے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے صدق کو آزماتا ہے اور کبھی زیر خنجر آئے ہوئے حسین کے صبر کو دیکھتا ہے۔ حسن و عشق کا یہی پیچ و تاب اسلام کے تمام احکام کی اصل روح اور واقعی فلسفہ ہے۔

قربانی کرنے سے روحانیت کو جلا ملتی ہے

انسان کا سینہ ہوس اور ایثار کی آماجگاہ ہے موجزن ہے۔ ہوس ایک حیوانی جذبہ ہے اور ایسے جذبات جب ابھرتے ہیں تو وہ بس اپنے ہی لیے سوچتا ہے وہ چاہتا ہے کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا پیٹ بھرے اور اپنی ضروریات کو رفع کرے۔ خواہ اس میں کسی کو نفع ہو یا نقصان۔ جیسے ایک حیوان محض اپنی شکم سیری کے لیے دوسرے کا خون کر دیتا ہے اور اسے کوئی تاسف نہیں ہوتا اسی طرح انسان بھی اسی حیوانی جذبہ کے تحت اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کی تمناؤں کا خون کر دیتا ہے اور اسے کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ احساس ایثار و قربانی ہے جو ایک ملکوتی جذبہ ہے جب ایسے جذبات غالب ہوتے ہیں تو انسان خود تکلیف میں رہ کر دوسروں کو آرام دینے میں راحت محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اس کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ بھوکا رہ کر کسی کو کھانا کھلا دے خود تشنہ محروم رہ کر کسی کو سیراب کر دے۔

اگر کسی کیاری سے دو پودے غذا حاصل کرتے ہوں تو ایک کاٹ دینے سے دوسرا زیادہ غذا حاصل کر سکتا ہے اور اس کی قوت رعنائی اور بالیدگی بڑھ جاتی ہے اسی طرح انسانی سسٹم کے دو جذبوں میں سے اگر ایک کا انقطاع کر دیا جائے تو دوسرا ارتقاء پذیر ہوگا۔ حیوانیت کا جس قدر انصرام و انقطاع ہوگا ملکوتیت اور روحانیت کو اتنی ہی مدد ملے گی۔

قربانی کرنے سے انسان کو سال میں یہ موقع ملتا ہے کہ وہ ایسے نواغرباء جو کبھی کبھی ہی گوشت کھاتے ہیں کثرت سے گوشت کھا سکتے ہیں اور اپنے مال و متاع کو دوسروں پر خرچ کرنے کا ایثار اس حیوانی خواہش پر چھری پھیر دیتا ہے۔ ہوس دم توڑنے لگتی ہے۔ ہمدردی اور اخلاص کے جذبات جگمگانے لگتے ہیں۔ اور ملکوتیت اور روحانیت انسان کے سینہ میں ایک نیا جنم لیتی ہے۔

قربانی جہاد کی تربیت دیتی ہے

فدا کارانہ جذبہ اور قربانی کا عزم انسان کو زندگی کے ہر میدان میں فتح اور نصرت عطا کرتا ہے اور محض جلب منفعت کا حیوانی جذبہ کمزور کے مقابلہ میں بربریت اور قوی کے سامنے کم ہمتی اور بزدلی عطا کرتا ہے۔ ہول اور دہشت کے میدان جنگ میں جہاں قدم قدم پر مجاہدوں کی سخت کوشیاں لبیک کہتی رہیں جہاں خاک و خون میں لتھڑی ہوئی لاشوں اور زخمیوں کی آہ و بکا سے خوف کا بدن کپکپانے لگتا ہے وہاں اس شخص کا گزر غیر متوقع نہیں ہوتا جس کے جسم میں قربانی کی روح موجود ہو۔ جہاد کی فضا میں زخمیوں کو سنبھالنا اور گرتوں کو اٹھانا

اس سے متصور ہو سکتا ہے جن کے دل میں اخلاص و ایثار کا جذبہ ہو۔

کافروں اور مشرکوں کا محاسبہ وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنی زندگی میں کبھی خاک و خون سے کھیل چکا ہو۔ جس شخص نے کبھی کسی جانور کے گلے پر چھری نہ پھیری ہو جو ایک حیوان کو ذبح کرنے سے بھی ڈرتا ہو اس سے جہاد کرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

اسلام نے سال میں ایک مرتبہ ایک حیوان کی قربانی کرنے کا حکم دیا تاکہ ظاہری طور پر اس کا گلا کاٹنے سے مسلمان کے اندر جرأت، حوصلہ اور خاک و خون سے مناسبت پیدا ہو اور باطنی طور پر اسے پیسہ خرچ کرنے اور غرباء کو گوشت کھلانے سے اخلاص اور ایثار کی عادت پڑے۔

اسلام کا ہر فرد فطرتاً سپاہی ہوتا ہے اور وہ اسے مختلف پیرایوں سے ہر سال جہاد کی تربیت دیتا ہے۔ جانور کی قربانی کے ذریعہ اسلام اپنے فرزندوں کو سمجھاتا ہے کہ جس طرح اللہ کی رضا کے لیے تم آج اس جانور کا خون بہا رہے ہو کل اسی طرح خدا کے نام کی سربلندی کے لیے تم نے خود اپنا لہو پیش کرنا ہے۔

حقائقِ قربانی

اسوۂ ابراہیم علیہ السلام تازہ کرنے کے لیے فرزندانِ اسلام ہمیشہ دس ذی الحج کو قربانی کیا کرتے ہیں۔ اسلامی فرقوں میں عقائد و افکار کے اختلاف کے باوصف یہ ایک خوشگوار ہم آہنگی تھی، لیکن مادہ پرستی کے اس دور میں یہ نقطۂ اتحاد بھی قائم نہ رہ سکا اور کچھ دیر سے یہ آواز آنے لگی ہے کہ قربانی صرف حجاج کے لیے ہے۔

عام مسلمانوں کے لیے نہ یہ سنتِ ابراہیمی ہے نہ سنتِ محمدی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قربانی کی وجہ سے ہر سال لاکھوں جانور ضائع ہو جاتے ہیں اور بے حساب روپیہ برباد ہو جاتا ہے۔ اسی رقم کو اگر رفاہی امور پر صرف کیا جائے تو ملک و ملت کے بہت سے بگڑے ہوئے کام سنور سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں قربانی کی ادائیگی کے سلسلہ میں غیر مقلد حضرات ہر سال امتِ مسلمہ کو اس مغالطہ میں مبتلا کرتے ہیں کہ قربانی چوتھے روز بھی ہو سکتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ قربانی کا شرعی ثبوت، شبہات کا ازالہ قربانی کے فضائل و فوائد اور اس کے ایام کی تحقیق پر مختصر اجمالی گفتگو کر لی جائے۔

قربانی کا شرعی ثبوت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فصل لربك وانحر۔ نماز پڑھ اپنے رب کے لیے اور قربانی ادا کر۔

نحر کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن جمہور مفسرین نے اس آیت میں نحر کو قربانی پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

وقوله فصل لربك وانحر حث على مراعاة هذين الركعتين وهما الصلوٰة ونحر الهدى فانه لا بد من تعاطيهما فذالك واجب فى كل دين وفى كل ملة۔

(المفردات فی غرائب القرآن صہ ۵۰۳)

فصل لربک وانحر میں نماز اور قربانی پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور ان دونوں کو ادا کرنا ضروری ہے اور یہ ہر دین اور ہر ملت میں واجب رہی ہے۔ امام فخر الدین رازی، محمود آلوسی اور دیگر مفسرین نے اس آیت میں نحر کو قربانی پر محمول کرنے کی حسب ذیل وجوہ بیان فرمائی ہیں۔

ا۔ قرآن کا اسلوب ہے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے اور قربانی عبادت مالیہ ہونے کی وجہ سے بمنزلہ زکوٰۃ ہے پس جب فصل سے مراد نماز ہے تو وانحر سے قربانی مراد ہونی چاہیئے۔

ب۔ مشرکین اپنے بتوں کے لیے نماز اور قربانی دونوں ادا کرتے تھے پس جس طرح فصل سے نماز کو اللہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے چاہیئے کہ وانحر سے قربانی کو اللہ کے ساتھ خاص کر لیا جائے۔

ج۔ تمام عبادات کا رجوع دو چیزوں کی طرف ہے۔ خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت اور نحر کو قربانی پر محمول کرنے سے یہ دونوں امر حاصل ہو جاتے ہیں کیونکہ نماز عظمتِ خالق کی مظہر ہے اور قربانی مخلوق پر شفقت کو ظاہر کرتی ہے۔

د۔ نحر کا لفظ باقی معانی کی نسبت قربانی کے معنی میں زیادہ مشہور ہے اور لفظ کو اس کے اشہر اطلاق پر محمول کرنا چاہیئے۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی قربانی کے ثبوت پر دلائل کثیرہ موجود ہیں بعض یہ ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ حاکم نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

من وجد سعة لان يضحى فلم يضح فلا يحضرن مصلانا

لواقح الانوار القدسیہ (صہ ۲۰۹)

جو شخص قربانی ادا کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے، ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ما هذه الاضاحى، حضور یہ قربانیاں کیا ہیں آپ نے فرمایا سنة ابيكم ابراهيم، یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی سنت ہیں۔ (مشکوٰۃ صہ ۱۲۹) اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورے دس سال مدینہ طیبہ میں اقامت پذیر رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی جلد ۱ صہ ۱۸۲) ان حدیثوں سے ظاہر ہو گیا کہ قربانی کرنا سنت ابراہیمی بھی ہے اور سنتِ محمدی بھی۔ اس مقام پر سنت طریقۂ جاریہ کے معنی میں ہے یعنی حضرت ابراہیم سے لے کر رسول اللہ تک اس پر عمل جاری رہا اور عہد رسالت سے لے کر آج تک تمام مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔

جو حق واضح ہونے کے بعد رسول کے خلاف کرے اور مسلمانوں سے جدا راستہ پر چلے ہم اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ کیا ہی بُری جگہ ہے۔

اس آیت میں غور کی جگہ ہے ان لوگوں کے لیے جو تمام مسلمانوں کے طریقہ کے علی الرغم قربانی کا انکار کرتے ہیں۔

ازالۂ شبہاتِ منکرین منکرین قربانی کہتے ہیں کہ قربانی صرف حجاج کے لیے مشروع ہے اور ہر سال اور ہر شہر میں قربانی کرنا نہ سنت ابراہیمی ہے اور نہ سُنت محمدی۔ اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قربانی ادا کرنے کا امر عموم اور اطلاق سے فرمایا ہے۔ حج کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا فصل لربك وانحر۔ اپنے رب کے لیے نماز اور قربانی ادا کرو اور احادیث رسول میں اس عموم کی تائید موجود ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک بار حج کیا اور مدینہ میں قیام کی پوری مدت میں ہر سال قربانی ادا فرماتے رہے (ترمذی) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ہمیں عید کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دیکھا کہ بعض لوگوں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے تو آپ نے فرمایا تمہیں دوبارہ قربانی کرنی ہوگی (مسلم) حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے مدینہ طیبہ میں دو مینڈھوں کی قربانی کی ہے (بخاری) پس ظاہر ہو گیا کہ قربانی کا حکم حجاج اور مکہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہر صاحبِ نصاب مسلمان کے لیے ہر شہر میں ہے۔ ثانیاً چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی غذا اور دوسرے فوائد کے لیے جانوروں کو مسخر کر دیا ہے اس لیے اس نعمت کے شکر کے طور پر جانوروں کی قربانی کا حکم دیا اور یہ نعمت چونکہ حجاج و غیر حجاج دونوں پر ہے، اس لیے قربانی کا حکم بھی دونوں کے لئے ہے۔ ثالثاً قربانی سُنت ابراہیم ہے بقولہ علیہ السلام سنۃ ابیکم ابراہیم اور سُنت ابراہیم کی پیروی حجاج و غیر حجاج دونوں کے لیے لازم ہے بقولہ تعالیٰ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا ملت ابراہیم کی پیروی کرو۔ پس قربانی بھی حجاج و غیر حجاج دونوں پر لازم ہے۔

رہا مال کو ضائع کرنے کا شبہ تو اس کے جواب میں اولاً گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں جو مال خرچ ہوتا ہے وہ اسی شخص کے نزدیک ضائع کہلا سکتا ہے جو خدا اور آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو۔ ثانیاً قربانی کا گوشت خود کھایا جاتا ہے، احباب کو کھلایا جاتا ہے اور غرباء کو صدقہ کیا جاتا ہے۔ اب اس میں ضائع کیا چیز ہوئی۔ اپنے کھانے کو تو ضائع نہیں کہہ سکتے اور احباب کے ہدیہ اور غرباء پر صدقہ کو ضائع وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کے دل میں نہ اپنے رشتہ داروں کی محبت ہو اور نہ غرباء کے لیے ہمدردی۔ ثالثاً منکرین قربانی مکہ میں قربانی کے قائل ہیں اور ثواب اُخروی سے قطع نظر اگر محض ظاہر کو مرکزِ نظر بنایا جائے تو پھر گوشت مکہ میں قربانی کرنے سے ضائع ہوتا ہے۔ جہاں بے حساب جانور ذبح کر کے کھال اتارے بغیر دفن کر دیے جاتے ہیں۔ بخلاف اور شہروں کے کیونکہ وہاں کھال سے لے کر گوشت تک قربانی کی ایک ایک چیز کام میں آجاتی ہے۔

قربانی کے فضائل و فوائد قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو قربانی کا خون بہانے سے زیادہ مسلمان کا کوئی عمل پسند نہیں ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

۲- قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے مقبولیت کے لیے اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

۳- قربانی کے خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایک گناہ بخش دیتا ہے۔ (لوائح الانوار القدسیہ)

۴- قربانی کے گوشت اور خون کو ستر درجہ بڑھا کر میزان میں وزن کیا جائیگا۔ (اصبہانی)

۵- قربانی کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی کا ثواب دیا جاتا ہے۔ (مسند احمد وابن ماجہ)

۶- قربانی کا جانور میدانِ محشر میں اپنے صاحب کے لیے سواری بن کر آتا ہے (اصبہانی)

۷- خون کے پہلے قطرہ کے ساتھ قربانی کرنے والے کے گذشتہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (بزار وابن ماجہ)

قربانی کے اسرار و رموز ۱- قربانی کے ذریعہ سُنت ابراہیم کو زندہ اور اسوۂ اسماعیل کو تازہ کیا جاتا ہے۔

۲- اسلامی سال کا آغاز محرم سے اور اختتام ذوالحج پر ہوتا ہے۔ اور دس محرم کو حضرت حسین کی اور دس ذوالحج کو حضرت اسماعیل کی قربانی ہے۔ پتہ چلا اسلام ابتداء سے انتہا تک قربانیوں کا نام ہے۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتداء ہے اسماعیل

۳- اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہمیں اپنی مرضی سے تصرف کے لیے دی ہیں، وہ چاہتا ہے کہ ان نعمتوں کا کچھ حصہ اس کی مرضی سے بھی خرچ کیا جائے۔ سال بھر ہم اپنی خواہش سے جانور ذبح کرتے ہیں، اللہ نے چاہا سال میں ایک مرتبہ ہم یہ جانور محض اس کی مرضی سے ذبح کر دیں۔

۴- اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرنے سے خاک و خون سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اس سے جہاد کی استعداد حاصل ہوتی ہے کیونکہ جو شخص ایک جانور کو بھی ذبح نہ کر سکے اس سے کفار کو ہلاک کرنے کی توقع کب کی جا سکتی ہے۔

۵- قربانی کے ذریعہ ہمیں یہ عادت ڈالی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے ہم نے آج اس جانور کی جان پیش کی ہے، وقت آنے پر اپنی جان کو بھی اللہ کے حضور پیش کر دیں۔

۶۔ جس طرح بدن کا شکر نماز سے، مال کا زکوٰۃ سے اور قوت کا شکر جہاد سے ہوتا ہے اسی طرح جانوروں کا شکر قربانی سے ادا ہوتا ہے۔

۷۔ کفار اپنی قربانیاں بتوں کے لیے کرتے ہیں ہم قربانی اللہ کے لیے کرکے ان کے لیے صحیح راہِ عمل متعین کرتے ہیں۔

۸۔ قربانی اور تکبیراتِ تشریق کی وجہ سے غیر حجاج کو بھی حجاج سے مناسبت حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ قربانی سے وحدت ملی کو تقویت ملتی ہے اس دن تمام مسلمان ایک عمل اور ایک کھانے میں متحد ہوتے ہیں۔

۱۰۔ قربانی اقارب اور احباب سے ملاقات، ضیافت اور صلۂ رحمی کا سبب بنتی ہے۔

۱۱۔ احباب کو قربانی کا تحفہ دینے سے یگانگت بڑھتی ہے اور صدقہ دینے سے غرباء کا پیٹ پلتا ہے اور ان کی دعائیں ملتی ہیں۔

۱۲۔ انسان کی جسمانی نشوونما کے لیے گوشت ایک ضروری عنصر ہے بہت سے لوگ ناداری کی وجہ سے گوشت سیر ہو کر نہیں کھا سکتے، قربانی کے ایام میں ان کی یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ قربانی کے ذریعہ ان کفار کے عقیدہ پر ضرب لگتی ہے جو جانوروں کی پرستش کرتے ہیں۔

۱۴۔ قربانی یہ سبق دیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس خارجی حیوان کو آہنی چھری سے ذبح کیا ہے اسی طرح شریعت کی قربان گاہ پر اپنے داخلی حیوان کو بھی مخالفتِ نفس کی چھری سے ذبح کر ڈالو تاکہ باطن ظاہر کے موافق ہو جائے اور آیاتِ آفاق کی معرفت کا مقتضیٰ حیوان ظاہر کی قربانی سے اور آیاتِ انفس کی معرفت کا مدعیٰ حیوان باطن کی قربانی سے پورا ہو جائے۔

قربانی کے احکام و مسائل

جو شخص ایام قربانی میں نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہو اس پر قربانی کرنا واجب ہے۔ اونٹ گائے اور بکری ان اجناس کے جانوروں سے قربانی کرنا جائز ہے۔ اونٹ پانچ سال کا، گائے دو سال کی اور بکری ایک سال کی ہونی چاہیئے، دنبہ اگر چھ ماہ کا اس قدر فربہ ہو کہ ایک سال کا معلوم ہوتا ہو تو یہ بھی جائز ہے گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، جانور صحیح سالم اور توانا ہو

جو جانور ایسا کمزور ہو کہ مذبح تک چل نہ سکے، جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو، کانا، اندھا، یا لنگڑا ہو یا جس کی آنکھ کان یا دُم کا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو یا جس کے خلقۃً کان یا دانت نہ ہوں یا جو پستان بریدہ ہو ایسے تمام جانور قربانی کے اہل نہیں، ان کی قربانی ناجائز ہے۔

دس ذوالحج کو نماز عید کے بعد سے ۱۲ ذوالحج کے دن غروب آفتاب تک قربانی کرنا جائز ہے۔ ان ایام میں دن کو قربانی کرنی چاہیئے۔ رات کو قربانی کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ افضل اور مستحب یہی ہے کہ اپنے ہاتھ سے قربانی کرے ورنہ کم از کم ذبح کے وقت حاضر رہے۔ ذبح کے وقت یہ دعا کرے۔

انی وجہت وجہی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین اللّٰھم منک ولک

قربانی کے گوشت یا کھال کو قصاب کی اُجرت میں دینا جائز نہیں۔ نہ اس کے کسی حصہ کو بیچا جا سکتا ہے، اگر فروخت کر دیا تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصّے کیے جائیں ایک اپنے لیے، ایک رشتہ داروں کے لیے اور ایک غرباء کے لیے۔ قربانی کا گوشت کافر حربی کو نہیں دیا جا سکتا۔ ذمیوں کو دیا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم ذمیوں کے حکم میں ہیں۔ انہیں دیا جا سکتا ہے۔ قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔ احباب کو ہدیہ اور فقراء کو صدقہ دے سکتے ہیں رفاہی امور، مساجد اور مدارس کے لیے بھی دے سکتے ہیں۔

قربانی کے ایام

ایام قربانی کی مقدار میں ائمہ اور مجتہدین کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری صرف تین دن تک جواز قربانی کے قائل ہیں۔ تیسرا دن گزر جانے کے بعد چوتھے دن قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ اور غیر مقلد حضرات کے نزدیک چوتھے دن بھی قربانی ہو سکتی ہے۔ روایات کے تتبع اور چھان پھٹک کے بعد جو حقیقت سامنے آتی ہے۔ اس سے جمہور کی تائید ہوتی ہے اور عقل و نقل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ چوتھے دن جانور کو ذبح کرنا محض خون بہانا اور گوشت فراہم کرنا ہے۔ قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس قرآن کریم، احادیثِ صحیح اور آثار صحابہ سے جو کچھ صحت اور اعتماد کے ساتھ ثابت ہے وہ یہی ہے کہ قربانی صرف تین دن تک جائز ہے، چار دن قربانی کے بارے میں جو روایات ہیں وہ یا موضوع ہیں یا مطعون۔

ایامِ ثلثہ پر استدلال قرآن سے

اللہ عزوجل فرماتا ہے :-

ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام ۔ اور وہ ایام معلومات میں جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں۔

اس آیت کے تحت امام ابوبکر رازی الجصاص فرماتے ہیں :-

لما ثبت ان النحر فیما یقع علیہ اسم الایام وکان اقل ما یتناولہ اسم الایام ثلثۃ وجب ان یثبت الثلاثۃ وما زاد لم تقم علیہ الدلالۃ فلم یثبت۔ (احکام القرآن جلد ۳، ص ۲۲۵)

جبکہ یہ امر ثابت ہے کہ ایام معلومات سے مراد ایام ذبح ہیں اور لفظ ایام کی دلالت کم از کم تین دنوں پر ہے تو تین دن تو یقیناً ثابت ہو گئے اور تین دن سے زیادتی پر کوئی دلیل نہیں، پس وہ ثابت نہیں۔

ایامِ ثلثہ پر استدلال حدیث سے

ابوبکر جصاص کے مذکورۃ الصدر استدلال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

عن سلمة بن اکوع قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثة وفی بیتہ منہ شئی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۸۳۵)

سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی قربانی کرے اس کے پاس تیسری رات کے بعد قربانی کا گوشت نہ ہو۔

اس کے علاوہ بخاری اور مسلم کی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا ہے اگر قربانی چار دن تک جائز ہوتی تو آپ چار دن تک کی اجازت دیتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اگر کوئی شخص تیسرے دن قربانی کرتا تب بھی اسے تین دن تک گوشت رکھنے کی اجازت تھی اور اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے تاہم ابتداً تین دن کی تخصیص کرنا اس امر پر کافی دلیل ہے کہ قربانی صرف تین دن تک جائز ہے، چنانچہ ابن قدامہ حنبلی نے اس حدیث سے تین دن قربانی پر استدلال کیا ہے۔

ایام ثلثہ پر استدلال آثار سے

اصولِ حدیث میں یہ مقرر ہے کہ جس چیز کو قیاس سے نہ بتایا جا سکے، جب اس کی صحابہ خبر دیں تو وہ حکماً مرفوع ہے اور ایام کی مقدار قیاس سے نہیں متعین کی جا سکتی۔ پس صحابہ کرام نے ایام کی مقدار جو بھی بیان کی ہے وہ حدیثِ رسول کے حکم میں ہے۔

۱- محدث بالصواب حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں۔

عن ماعز بن مالک الثقفی ان اباہ سمع عمر یقول انما النحر فی ھذہ الایام الثلاثہ (مختصر الکرخی بحوالہ بنایہ جلد ۴ ص ۱۷۰، و محلی ابن حزم جلد ۷، ص ۳۷۷)

ماعز بن مالک ثقفی سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے حضرت عمر سے سنا کہ قربانی ان تین دنوں میں ہے۔

۲- اور مبین الحقائق والمطالب حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں:۔

عن ابی لیلی عن المنہال بن عمرو عن زر عن علی قال النحر ثلاثہ ایام افضلھا اولھا (عمدۃ القاری جلد ۲۱ ص ۱۴۸، محلی ابن حزم جلد ۷ ص ۳۷۷، روح المعانی جلد ۱۷ ص ۱۴۵، موطا امام مالک ص ۱۸۸)

حضرت علی نے فرمایا، قربانی تین دن ہے اور ان میں افضل پہلا دن ہے۔

اس حدیث کے دو راویوں پر ابن حزم ظاہری نے اعتراض کیا ہے، ابن ابی لیلی اور منہال بن عمرو ابن ابی لیلی پر ابن حزم کا یہ اعتراض ہے کہ وہ بد حافظہ تھے، اس جواب میں اولاً گزارش یہ ہے، ابن ابی لیلی صحاح کے راوی ہیں، ابو داؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے ان کی احادیث کو روایت کیا ہے، ثانیاً علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ زائدہ نے کہا کہ ابن ابی لیلی تمام اہلِ دنیا سے زیادہ فقیہ تھے، امام عجلی نے کہا ابن ابی لیلی، فقیہ، صاحب سنت سب سے سچے اور جائز الحدیث تھے۔ قرآن کے عالم اور لوگوں میں حسب کے اعتبار سے سب سے بہتر تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۰۲) اور منہال پر ابن حزم کا اعتراض یہ ہے کہ وہ مجروح ہیں اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو امام بخاری، نسائی، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ یہ سارے ائمہ منہال سے روایت کرتے ہیں۔ ابن معین اور نسائی نے تصریح کی ہے کہ وہ ثقہ ہیں ابو الحسن القطان نے کہا کہ جب عجلی اور ابن معین جیسے ائمہ منہال کی توثیق کر چکے ہیں

تو ابن حزم ظاہری کی جرح کا کیا اعتبار ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ...)

۳- اور مفسر قرآن حضرت ابن عباس فرماتے ہیں عن وکیع عن ابی لیلی عن المنہال عن سعید بن جبیر عن ابن عباس النحر ثلاثة ایام (احکام القرآن جلد ۳ ص ۲۳۳، محلی ابن حزم جلد ۷، ص ۳۷۷)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں، قربانی تین دن ہے۔

اس حدیث کی سند میں بھی ابن ابی لیلی اور منہال ابن حزم کو کھٹکتے ہیں جن کا جواب ظاہر ہو چکا۔

۴- اور فقیہ امت حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔

عن اسماعیل بن عیاش عن عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر الاضحی یوم النحر و یومان بعدہ۔

(موطا امام مالک ص ۱۸۸، محلی ابن حزم جلد ۷، ص ۳۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں، قربانی عید اور اس کے دو دن بعد ہے۔

اس سند میں اسماعیل بن عیاش پر ابن حزم کا اعتراض ہے کہ یہ ضعیف ہیں لیکن یہ اعتراض ساقط ہے۔ کیونکہ اولاً تو اسماعیل بن عیاش پر ترمذی، نسائی، ابو داؤد اور ابن ماجہ کا اعتماد ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ یعقوب بن سفیان نے کہا اسماعیل ثقہ اور عادل ہے اور یزید بن ہارون نے کہا، میں نے اسماعیل سے بڑھ کر کسی کو حافظہ والا نہ پایا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۱۶)

۵- اور شمس الحفاظ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں:۔

عن یزید بن الحباب عن معاویة بن صالح حدثنی ابو مریم سمعت ابا ھریرة یقول الاضحی ثلاثة ایام۔ (محلی ابن حزم جلد ۷، ص ۳۷۷)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں، قربانی تین دن ہے۔

حدیث ابو ہریرہ کی سند میں ایک راوی ہیں، معاویہ بن ابی صالح، ابن حزم کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں، ہم کہتے ہیں کہ بلا ریب یہ کذب صریح ہے اس لیے کہ مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ صحاح کے یہ سارے امام معاویہ ابن صالح سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ نیز ابو طالب اور ابن معین نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں، عجلی اور نسائی نے توثیق کی، ابن فراش نے کہا کہ یہ صدوق ہیں ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، بزار نے کہا ثقہ ہیں، اور بہتوں نے کہا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰، ص ۲۰۹ تا ۲۱۱)

۶- اور یہ ہیں خادم رسول اللہ علیہ وسلم حضرت انس:۔

عن وکیع عن شعبة عن قتادة عن انس قال الاضحی یوم النحر و یومان بعدہ (السنن بیہقی بحوالہ بنایہ جلد ۴ ص ۱۱۷، محلی ابن حزم جلد ۷، ص ۳۷۷)

حضرت انس نے فرمایا: قربانی عید اور دو دن بعد ہے۔

اور یہ وہ سند ہے جس کی صحت پر ابن حزم ظاہری کو بھی ایمان لانا پڑا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ولا یصح شئی من ھذا کلہ الا عن انس وحدہ۔

(محلی ابن حزم جلد ۷، ص ۳۷۷)

۱۔ صاحب استدکار نے ذکر کیا ہے کہ جبر اُمت حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی بیان کیا ہے کہ قربانی تین دن ہے۔ (عینی علی الھدایہ جلد ۴ صہ ۱۱۷)

ایام اربعہ کے تمسکات اور ان کا احتساب

۱۔ عن معاویہ بن یحییٰ عن الزھری عن ابن المسیب عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایام التشریق کلھا ذبح۔

ابو سعید خدری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔

اس حدیث کی سند میں معاویہ بن یحییٰ ہے اور نسائی ابن معین اور علی بن مدینی نے کہا کہ یہ ضعیف ہے اور ابن ابی حاتم نے کتاب العلل میں بیان کیا یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔ (بنایہ علی الھدایہ جلد ۴ صہ ۱۱، عمدۃ القاری جلد ۱۲ صہ ۱۴۸)

معاویہ بن یحییٰ کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں۔

جوزجانی نے کہا یہ ذاہب الحدیث ہے، ابو زرعہ نے کہا قوی نہیں، اس کی احادیث منکرہ ہیں، ابو حاتم نے کہا، ضعیف ہے، ابو داؤد اور نسائی نے کہا غیر ثقہ ہے، نسائی نے ایک جگہ کہا ضعیف ہے دوسرے مقام پر کہا لیس بشیٔ ابن حبان نے کہا، یہ اپنے وہم سے حدیث بیان کرتا تھا۔ ساجی نے کہا اس کی احادیث بہت ضعیف ہیں۔ بخاری نے ضعفاء میں شمار کیا۔ زہری نے کہا کہ اس کی احادیث منکرہ اور موضوعات کے مشابہ ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صہ ۲۱۹ تا ۲۲۰)

اور اس حدیث کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں :۔

ابن عدی نے اس حدیث کو ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے اور کہا یہ معاویہ بن یحییٰ کی وجہ سے ضعیف ہے اور ابن ابی حاتم نے کہا یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔

۲۔ عن سوید بن العزیز عن سلیمان بن موسیٰ عبد الرحمان بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ایام التشریق ذبح۔ (موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان صہ ۲۴۹)

جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمام ایام تشریق میں ذبح ہے۔

اس حدیث کی سند میں سوید بن عبد العزیز ہے۔ اس کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں :۔

امام احمد بن حنبل نے کہا، یہ متروک الحدیث ہے ابن معین نے کہا لیس بشیٔ، یہ کچھ بھی نہیں، مزید کہا یہ ضعیف ہے اور احکام قربانی میں اس کی روایت جائز نہیں۔ بخاری اور ابن سعد نے کہا اس کی احادیث منکرہ ہیں، یعقوب بن سفیان نے کہا ضعیف ہے، دارمی نے کہا یہ حدیث میں غلط بیانی کرتا تھا، ترمذی نے کہا کثیر الغلط تھا نسائی نے کہا، غیر ثقہ تھا، خلال نے کہا ضعیف تھا، بزار نے کہا، حافظ نہ تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صہ ۲۷۷)

اس حدیث کے بارے میں حافظ عینی سے سنیئے :۔

بزار نے اس کو اپنی مسند میں روایت کیا اور کہا ابی حسین کی جبیر بن مطعم سے ملاقات ثابت نہیں، لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔ (بنایہ علی الھدایہ جلد ۴ صہ ۱۱۷)

علامہ ابن حجر سے سنیئے :۔

احمد، ابن حبان اور بزار نے اس حدیث کو جبیر بن مطعم سے روایت کیا اور بزار نے کہا یہ حدیث منقطع ہے، دار قطنی نے دو مختلف سندوں سے اس حدیث کا اخراج کیا اور کہا دونوں میں ضعف ہے بیہقی نے اس کو ایک سند سے روایت کیا اور کہا کہ یہ منقطع ہے۔ (درایہ علی الھدایہ الاخیرین صہ ۴۴۶)

۳۔ عن عبید اللہ بن موسیٰ عن ابن ابی لیلیٰ عن الحکم بن عتیبۃ عن مقسم عن ابن عباس قال الایام المعلومات یوم النحر وثلاثۃ ایام بعدہ۔ (محلی ابن حزم جلد ۷، صہ ۳۷۷)

حضرت ابن عباس نے فرمایا: ایام معلومات عید اور اس کے بعد تین دن ہیں۔ اس سند کے ایک راوی ہیں ابن ابی لیلیٰ۔ یہ وہی ابن ابی لیلیٰ ہیں جو علی اور ابن عباس کی سندوں میں تھے جنہیں جمہور نے پیش کیا تھا وہاں ابن حزم نے ان سندوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ابن ابی لیلیٰ بد حافظ ہیں۔ حیرت ہے کہ اس قدر جلد ابن ابی لیلیٰ پر کیا ہوا اعتراض ابن حزم کے حافظہ سے کیسے نکل گیا۔

پہلے ابن ابی لیلیٰ کو جانے دیجیے یہ ہیں اس سند کے ایک اور راوی عبید اللہ بن موسیٰ۔

ان کے بارے میں علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں :

احمد بن حنبل نے کہا، عبید اللہ بن موسیٰ احادیث میں خلط کرتا تھا، اس نے روایات سوء اور احادیث روئیہ بیان کی ہیں صاحب مناکیر تھا، میں نے اس کو مکہ میں دیکھا اور اعراض کر لیا، ابن سعد نے کہا وہ تشیّع کو ثابت کرنے کے لیے احادیث منکرہ روایت کرتا تھا، اس وجہ سے اکثر لوگوں نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ ابو مسلم بغدادی نے کہا عبید اللہ بن موسیٰ متروکین میں سے تھا، امام احمد نے اس کے تشیّع کی وجہ سے اس کی روایت کو ترک کر دیا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد صہ ۵۱ تا ...)

مجروح السند ہونے کے علاوہ یہ حدیث ابن عباس کی اس صحیح السند حدیث کے معارض ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔

برسبیل تنزل

ایام ثلثہ کے دلائل کی صحت اور قوت اور ایام اربعہ کی ... کے وضع، جرح اور ضعف سے صرف نظر بھی کر لیا جائے ... بھی احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ قربانی ان ایام میں ادا کی جائے جن میں سب ... نزدیک قربانی ادا ہو جائے اور وہ ایام عید اور اس کے دو دن بعد ہیں۔ ... یہ کہ دلائل کے تعارض کی وجہ سے چوتھا دن کم از کم مشکوک ضرور ہو گیا، پھر کیوں نہ قربانی ان دونوں میں کی جائے، جن میں قربانی کی ادائیگی یقینی اور قطعی ہے۔

اسلام کا فلسفۂ قربانی

بدر القادری مصباحی (ہالینڈ)

ضرورت ہے براہیمی اولوالعزمی کی دنیا کو
زمانہ چاہتا ہے پھر وہی بیٹے کی قربانی

دین و دانش کی انجمنیں ہر دور اور ہر زمانے میں قربانیوں کے لہو سے پر رونق رہی ہیں۔ قربانی اسلام کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک ہے۔ ایک خدا کے لئے نفس کے تقاضوں کی قربانی، ایک نظام فطرت کے بالمقابل سارے خود ساختہ قوانین کی قربانی۔ یہ دین کا الٰہی داعیہ ہے۔ ایک رشتۂ عبد و معبود پر ذہن میں رچے بسے سارے تعلقات کی گہری ساکھوں کی قربانی، اور اگر مالک حقیقی سے ہٹ کر کسی دوسری شئے کی اہمیت ذہن و دماغ پر محتوی ہے تو صرف خسران ہی نہیں بلکہ موجب عتاب و سرزنش ہے۔

قل ان کان آباؤکم وابناؤکم	(اے نبی آپ ان سے فرما
واخوانکم وازواجکم و	دیجئے کہ اگر تمہارے باپ
عشیرتکم واموال اقترفتموھا	اور تمہارے بیٹے، تمہارے
وتجارۃ تخشون کسادھا	بھائی اور تمہاری بیویاں،
ومساکن ترضونھا احب	تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم
الیکم من اللہ ورسولہ	نے کمائے ہیں۔ اور وہ تجارت
وجھاد فی سبیلہ فتربصوا	جسمیں سے نقصان ہونے کا
حتیٰ یاتی اللہ بامرہ ط	تم کو اندیشہ ہے۔ اور وہ گھر جنکو
واللہ لا یھدی القوم	تم پسند کرتے ہو۔ اگر یہ چیزیں تمکو
الفسقین ۔ (التوبہ)	اللہ اور اللہ کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں، تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدے اور اللہ تعالےٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہونچاتا۔

اللہ اور اس کے رسول کی اس دعوت حق و انصاف کو قبول کرنے والوں کے لئے جنت کی بشارت اور دائمی پر مسرت زندگی کی خوشخبری ہے اور اس سے روگردانی اور اعراض و انکار تو اتنا شدید جرم ہے جس کی تلافی ناممکن۔

ایسے لوگوں کے لئے شدید عذاب و عقاب مقرر ہے۔ ان کی دولتمندی اور مالداری انھیں ذرہ برابر فائدہ نہ دیگی۔

للذین استجابوا لربھم	جن لوگوں نے اپنے رب
الحسنیٰ والذین لم	کی دعوت پر لبیک کہا
یستجیبوا لہ لوان لھم	ان کے لئے بھلائی ہے اور
ما فی الارض جمیعا	جنھوں نے اسے قبول نہ
ومثلہ معہ لافتدوا	کیا وہ اگر روئے زمین
بہ اولئک لھم سوء	کی ساری دولت کے

الحساب۔ وماوٰهم جهنم وبئس المهاد۔ (الرعد: ۱۸)

بھی مالک ہوں اور اتنی ہی اور فراہم کریں تو وہ خدا کی گرفت سے محفوظ رہنے کے لئے سب (دولت) کو فدیہ میں ڈالنے پر تیار ہو جائینگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے بری طرح حساب لیا جائیگا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بہت ہی برا ٹھکانا۔

جن لوگوں کو ایمان کی دولت سے سرفراز کیا گیا۔ وہ آزمائشوں سے ضرور دوچار ہوئے ہیں۔ البتہ عزیمت وہمت اور پختگی ایمان جس قدر ہوتی ہے امتحان بھی اسی کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کم درجہ لوگوں کی ہلکی آزمائش، اور بلند مرتبہ حضرات کو دشوار گزار امتحان و قربانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وهم لا یفتنون۔ (عنکبوت)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ جو دعوئی ایمان کرتے ہیں وہ (بغیر آزمائش) یونہی چھوڑ دیئے جائینگے۔

ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ ایمان والوں کو ابتلاء و آزمائش کی قربان گاہ سے گزرنا ہی ہوگا۔ یہ فطرت کا قانون ہے۔

آزمائش ہے نشان بندگان محترم
جانچ ہوتی ہے اسی کی جس پہ ہوتا کرم

قربانی۔ اخلاص عمل کا شاہکار

قربانی دراصل انسان کے اعمال و افعال کے جانچنے کا ذریعہ ہے۔ قدرت یہ واضح طور پر ثبوت چاہتی ہے کہ جو عبادت و ریاضت تم کرتے ہو۔ یا دنیا کے جن لوازمات میں تم زندگی گزار رہے ہو ان کے درمیان رہ کر اپنے پروردگار کو کس طرح چاہتے ہو۔ غور کیا جائے تو حیات اور مراحل حیات، زندگی اور لوازمات زندگی میں ہر قدم پر قربانیوں کا مطالبہ ہے، قربانی میں ثابت قدمی کا مطلب یہ ہے کہ بندۂ مومن ہر چیز میں ذات واجب الوجود کو اصل، اور ہر معاملہ میں احکام الٰہیہ کو مقدم رکھتا ہے، اس کے ہر گوشۂ حیات پر ذات الٰہی اور فرامین خداوندی کا غلبہ ہے۔ نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور بالخصوص جہاد فی سبیل اللہ یہ تمام بنیادی طور پر ہم سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم اپنی پوری بشری صلاحیتوں کے ساتھ خدائے تعالیٰ ہی کے ہو کر رہیں۔ اسی کی کبریائی کو تسلیم کریں، اسی کے احکام پر عمل کریں، اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب کو لازم سمجھیں، خدائے تعالیٰ ہی کے ہو کر رہیں اسی کی کبریائی کو تسلیم کریں، اور جو کچھ حاصل کرنا ہے اس سے حاصل کریں۔

قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ (الانعام: ۱۶۲)

فرما دیجئے (اے نبی) بے شک میری نماز اور میری قربانی میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کیلئے ہے جو دونوں عالم کا پروردگار ہے۔

اپنے رب کے لئے ہمارے دلوں میں کتنا اخلاص ہے اس کی آزمائش قربانیوں ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ دور ماضی میں لوگ جانوروں کو ذبح کر کے ان کا خون دیوار کعبہ پر لگاتے تھے اور گوشت بھی اس پر ڈال دیتے تھے۔ قرآن عظیم نے اس طرز عمل کو لغو قرار دیا۔ اور وضاحت فرمائی کہ خداوند عالم کے نام پر خلوص قلب سے جانوروں کو ذبح کرنے کا نام قربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو گوشت اور خون سے سروکار نہیں۔ وہ تو اخلاص نیت اور صدق دلی کو ملاحظہ فرماتا ہے۔

لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها ولکن یناله التقوی

اللہ کو ہرگز ان کے گوشت پہنچتے ہیں

منکم ۔ (الحج: ۳۷) اور نہ ان کے خون ہاں
تمہاری پرہیزگاری وہاں
تک باریاب ہوتی ہے۔

یعنی قربانی کرنے والے صرف نیت کے اخلاص اور شرط تقوے کی رعایت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکتے ہیں۔ (خزائن العرفان صہ ۱۱۱)
عبادت و ریاضت میں للّٰہیت اور دینی و دنیاوی امور میں اخلاص اور سچی نیتوں کا مطالبہ ہی تو ہے جسے بایں طور جتایا جا رہا ہے۔

قل ان تخفوا ما فی ـــ اے نبی آپ لوگوں سے فرمادیں
صدورکم او تبدوہ ـــ کہ کسی بات کو اپنے دل میں
یعلمہ اللہ ۔ ـــ پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو خدا
(آل عمران: ۲۹) ـــ اسے جانتا ہے۔

آیت پاک کے اس مفہوم کو زبان رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں بیان فرمایا ہے۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ـــ اللہ تمہاری صورتیں اور
والی الوانکم ولکن ینظر ـــ تمہارے رنگ نہیں دیکھتا،
الی قلوبکم واعمالکم ـــ بلکہ تمہارے دل اور اعمال
(مشکوٰۃ) ـــ دیکھتا ہے۔

ظاہری اعمال و افعال ہوں باطنی نیتیں رب تعالیٰ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر ایک کو بخوبی جانتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ ہمارے اندر کتنا اخلاص عمل ہے۔ اس کے اعتبار سے اجر و ثواب یا عذاب و عقاب دیتا ہے۔

قربانی کی غرض و غایت | انسانی زبان عام طور پر جو کچھ کہتی ہے، اس پر من کل الوجوہ عمل کہاں تک پایا جاتا ہے، عام نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ عام روش سے ہٹ کر دین صادق کا ہمیشہ یہ تقاضا رہا ہے کہ ایسی باتیں زبان سے ہرگز نہ بولو جن پر تمہارا عمل کرنا دشوار ہو۔ بلکہ زبان کو بھی اتنی ہی حرکت دو تمہارے اندر جسقدر عمل کرنے کی سکت ہو۔ فضول باتیں ہی باتیں اور عمل کچھ بھی نہیں، اسلامی اصول زندگی کے سراسر خلاف ہے ـــ قرآن اسی کی تو تردید فرمارہا ہے۔

لِمَ تقولون مالا تفعلون ـــ ایسی باتیں کرتے کیوں ہو
جن پر عمل نہ کر سکو۔

گویا زبان اور عمل کو ایک دوسرے کے مطابق بناؤ۔ قول و فعل کے اس تضاد کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اسلامی اصول زندگی میں قدم قدم پر مطالبے موجود ہیں۔ عمل کو قول کے مطابق اور زبان کو عمل کے تابع رکھنے کا فلسفۂ بلیغ شریعت میں قربانی کی راہ سے بھی نافذ کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے غور کیا جائے تو اور تمام ارکان اسلام سے لے کر ہماری شرعی اور اصطلاحی در اصل قربان و عمل کی ساری صلاحیتوں سے انفرادی و اجتماعی سطح پر اس امر کا اعتراف ہے کہ جان و مال جو اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں عطا فرمائے ہیں یا دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں جو ہمارے لئے مسخر کی ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری عارضی ملک ہے، ان کا مالک حقیقی صرف خدائے تعالےٰ ہے جسے اسی کے احکام کے مطابق ہم صرف کرتے ہیں۔ جانوروں کی قربانی کرنے والا بھی تو ذبح کے وقت برملا زبان سے اعتراف کرتا ہے۔ اللّٰھم منک ولک
اے اللہ یہ سب کچھ تیرا ہی ہے اور تیری بارگاہ میں پیش ہے۔

اور کیا ہے جو ان کو نذر کروں
اک دل درد مند رکھتا ہوں

ہر قوم کے لئے قربانی | امت محمدیہ کے علاوہ بھی جتنی امتیں اس روئے زمین پر ابھریں۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے ہر ایک کو قربانی کا حکم فرمایا۔

ولکل امۃ جعلنا منسکا ـــ اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک
لیذکروا اسم اللہ علی ـــ قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں
ما رزقھم من بھیمۃ ـــ اس کے دیئے ہوئے بے زبان
الانعام فالٰھکم الٰہ ـــ چوپایوں پر تو تمہارا معبود ایک
واحد فلہ اسلموا۔ ـــ معبود ہے تو اسی کے حضور گردن
(الحج: ۳۴) ـــ رکھو۔

یعنی ذبح کے وقت صرف اللہ ہی کا نام لو، اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا شرط ہے کہ اسکے

لئے بطور تقرب قربانی کریں اور تمام قربانیوں پر نام اسی کا لیں۔
(خزائن العرفان ص۱۴۰)

پروردگار عالم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور اسی کے لئے دنیا کی ساری چیزوں کو مسخر کر دیا ہے۔ انھیں مخلوقات میں سے ڈیل دار حلال جانور بھی ہیں۔ یہ جانور باوجود قد و قامت اور گرانڈیل ہونے کے انسان کے تابع کر دیئے گئے ہیں۔ اور پھر اللہ کا مطالبہ ہے کہ ان کو ہمارے نام پر قربان کرو۔ قربانی کے یہ جانور اونٹ گائے، بھیڑ، بکری اللہ کی نشانیاں ہیں۔

والبدن جعلنا لکم من شعائر اللہ لکم فیہا خیر فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا واطعموا القانع والمعتر کذٰلک سخرنٰہا لکم لعلکم تشکرون۔
(الحج: ۳۶)

اور قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے) ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں سے کئے۔ تمہارے لئے انہیں بھلائی ہے تو ان پر اللہ کا نام لو ایک پاؤں بندھے تین پاؤں پر کھڑے پھر جب گر پڑیں کروٹیں ان کی یعنی (کروٹ کے بل گر پڑیں اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو ان میں سے خود کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے کو کھلاؤ ہم نے یونہی انھیں تمہارے بس میں دیدیا کہ تم ان کا احسان مانو۔

اسلامی قربانی اور یہود حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار کعب بن اشرف، کعب بن اسد، مالک ابن اخنف، وہب بن یہودا زید بن تابوت، فنخاص بن عازورا، وغیرہ علمائے یہود حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بولے کہ ہم آپ پر ایمان تو لے آتے مگر ایک مجبوری یہ ہے کہ توریت شریف میں ہم کو تاکیدی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسی پیغمبر پر ایمان لائیں جو اپنی نبوت کے ثبوت کے لئے اس طریقہ پر قربانی کرے، کہ قربانی کرنے کے بعد اس کا گوشت ایک پہاڑ پر رکھے۔ غیب سے سفید رنگ کی بے دھوئیں والی آگ نمودار ہو۔ اور اس گوشت کو جلا ڈالے۔ جونہی یہ معجزہ لائے ہم اس پر ایمان لا سکتے ہیں۔ آپ نے یہ معجزہ دکھایا نہیں تو ہم آپ کو سچا نبی کیسے تسلیم کریں۔

یہ سچ ہے کہ ماسبق میں بعض انبیائے کرام کے دور کی قربانیاں شرائط دار آگ کے ذریعہ جلادی جاتی تھیں۔ قربانی کے ذبح شدہ جانوروں کی طرح مال غنیمت بھی اسی طرح بارگاہ خداوندی میں پیش کئے جاتے تھے۔ اور اختلاف کی صورتوں میں اسی طریقہ سے مقبول اور غیر مقبول قربانیوں میں فرق بھی کیا جاتا تھا جو اپنی بات میں سچا ہوتا اس کی قربانی کو آگ جلا ڈالتی۔ چنانچہ جب ہابیل قابیل کا ایک عورت عقیمہ کے بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ کس کے لئے حلال ہے۔ تو ان دونوں نے قربانیاں ہی پہاڑ پر رکھیں اور ہابیل کی قربانی مقبول ہوئی۔ اور بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام اسی طرح قربانیاں رب تعالٰے کے حضور پیش فرماتے رہے۔

(تفسیر نعیمی ج ۴ ص۴۳۶)

بائیبل میں بھی متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ قربانیوں کے مقبول ہونے کا یہی انداز تھا کہ قربانی کے جانور کو ذبح کر کے چھوڑ دیا جاتا اور بھسم کرنے کے لئے ایک آگ نمودار ہوتی۔ (قضاۃ ۶: ۲۰-۲۱ و ۱۳-۱۹-۲۰) احبار: ۹-۲۴-۲ تواریخ ۷-۱-۲) لیکن قربانی کی قبولیت کا یہی منحصر طریقہ ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور شریعت میں اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ہی نہ ہو۔ دراصل یہ یہود کا بہانا تھا۔ حضرت علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ توریت میں ایسا کچھ نہیں۔ یہ یہود کا بہتان ہے صحیفۂ آسمانی پر۔

ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تو انھوں نے آکر سوختنی قربانی کا مطالبہ کیا۔ اور جن انبیائے کرام نے یہ معجزہ دکھایا۔ ان کو خود جھٹلاتے رہے۔ ان کی تکذیب کرتے رہے، یہی نہیں ان کے درپئے قتل ہوئے۔

بائیبل میں ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام (ایلیا تشبی) نے بعل بت کے پجاریوں کو چیلنج دیا کہ سر میدان ایک بیل کی قربانی تم کرو۔ ایک کی میں کرتا ہوں۔ جس کی قربانی کو غیبی آگ کھالے وہی حق پر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو غیبی آگ نے کھالیا۔ اس کھلے معجزے کے ظہور پر بھی انجام یہ ہوا کہ اسرائیل کے بادشاہ کی ملکہ حضرت الیاس کی دشمن ہوگئی۔ اور وہ زن پرست بادشاہ اپنی ملکہ کے باعث حضرت الیاس کے قتل پر آمادہ ہوگیا۔ آپ کو مجبوراً جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں روپوش ہونا پڑا (سلاطین باب ۱۸ و ۱۹)

توریت میں ایک مقام پر ہے۔

"اور جب سلیمان دعا مانگ چکا تو آسمان سے آگ اتری اور سوختنی قربانی اور ذبیحوں کو کھا گئی۔ اور وہ گھر خداوند کے جلال سے بھر گیا۔ (۲۱۔ تواریخ ۷: ۱)

مگر تاریخ شاہد ہے کہ ان انبیائے عظام کا یہود نے نہ صرف انکار کیا۔ بلکہ شدید مخالفت و معاندت کا رویہ اپنایا جو حضرت الیاس کے واقعات سے بھی ظاہر ہے۔

یہود کے اس قول پر کہ اے محمدؐ! سوختنی قربانی کا معجزہ دکھایئے تو ہم آپ پر ایمان لائیں۔ قرآن عظیم نے ان کے کرتوتوں کو دہرایا کہ ان سے قبل جو انبیاء سوختنی قربانی کا معجزہ لائے انھیں پر تم کب ایمان لائے کہ ان پر لاؤ گے چنانچہ فرمایا۔

الذین قالوا ان اللہ عہد	وہ جو کہتے ہیں، اللہ نے ہم
الینا ان لا نومن لرسول	سے اقرار لیا ہے کہ ہم کسی
حتیٰ یاتینا بقربان	رسول پر ایمان نہ لائیں۔
تاکلہ النار قل قد	جب تک ایسی قربانی کا حکم
جاءکم رسل من قبلی	نہ لائے جسے آگ کھائے
بالبینات وبالذی	تم فرمادو۔ مجھ سے پہلے بہت سے

قلتم فلم قتلتموھم ان	رسول کھلی نشانیاں اور یہ حکم
کنتم صدقین۔	لیکر آئے جو تم کہتے ہو پھر تم نے
(آل عمران: ۱۸۳)	انھیں کیوں شہید کیا۔ اگر تم سچے
	ہو۔

نظام مصطفےٰ میں قربانی کی دو بلیغ حکمتیں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جو نظام قربانی عطا فرمایا ہے وہ فلاح انسانیت اور دوسروں کی حاجت برآری کا بھی ایک عظیم مقصد رکھتا ہے۔ اس کے بجائے کہ غیبی آگ نمودار ہو اور قربانی کے گوشت کو کھا جائے۔ قربانی کا گوشت غربا اور مساکین اور اہل حاجت میں تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس طرح مسلمان جانوں کا نذرانہ بارگاہ رب العالمین، میں پیش کرتا ہے۔ اور گوشت کا تحفہ اپنے مسلمان بھائی میں تقسیم کرتا ہے۔ جس سے اسلامی رشتہ اخوت کی مضبوطی اور غربا و فقرار نوازی بھی ہوتی ہے۔ جو نظام مصطفےٰ کے اہم اجزائے ترکیبی ہیں۔

برتر از عالم نظام مصطفیٰ است
بر ہمہ کس فیض عام مصطفیٰ است

اقوالِ زرّیں

- جس کو مسلمانوں کا غم نہ ہو وہ میری امت سے نہیں۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)
- مصیبت کی بنیاد انسان کی غیر محتاط گفتگو ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)
- ظالموں کو معاف کرنا مظلوم پر ظلم ہے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ)
- گناہ کسی نہ کسی صورت میں دل کو بے قرار رکھتا ہے۔ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)
- علم بغیر عمل کے آزار ہے اور عمل بغیر اخلاص کے بیکار ہے۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)
- ایمان کی حقیقت توکل کی حفاظت کرنا ہے۔ (حضرت داتا گنج بخش)
- صوفی وہ ہے جو نفس کی برائیوں سے پاک صاف ہو۔ (سیدنا غوث اعظم)
- جس نے اپنے قول و فعل میں سنت کو حاکم بنایا وہ دانائی کی باتیں بتائے گا۔ (ابو عثمان نیشاپوری)
- اپنے آپ کو ایسا ہی ظاہر کرو جیسا تو ہے یا ویسا ہی ہو جا جیسا تو اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ (حضرت بایزید)
- دولت مندوں کی صحبت زہر قاتل اور آخرت کی موت ہے۔ (مجدد الف ثانی)
- دنیا دریا ہے اس دریا کا کنارہ آخرت اور کشتی تقویٰ ہے اس کے بغیر دریا پار کرنا مشکل ہے (میاں شیر محمد)
- یہ شقاوت اور بدبختی کی نشانی ہے کہ انسان گناہ کرے اور پھر امید رکھے کہ بخشا جاؤں گا (خواجہ اجمیری)
- عبادت کا وہ طور جو ریا و شرک سے پاک ہو اپنی برکت آخری سانس تک رکھتا ہے (ابوالحسن خرقانی)

عید الاضحیٰ! ایثار و قربانی کی ایک مقدس یادگار

ڈاکٹر رخسانہ نکہت لاری۔ ام ہانی، لکھنؤ

ارشادِ ربانی ہے کہ ۔۔۔ "اور ہم ضرور تمھیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے" انھیں خوشخبری سنا دیجیے کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔"
(سورۂ بقرہ۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷)

اللہ تعالیٰ نے دنیا اور انسان کی تخلیق فرما کر یہاں کا ایک بنیادی اصول اور عام قاعدہ بنا دیا کہ ابتلاء و آزمائش سے کسی انسان کو مفر نہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم جو اللہ تعالیٰ کے منتخب و محبوب بندے ہیں انھیں بھی خداوند قدوس نے طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا۔ لیکن انھوں نے ان تمام مصائب کے باوجود شکوہ و شکایت سے اپنی زبانوں کو آلودہ نہیں کیا، نہ ہی ان پر گھبراہٹ و مایوسی طاری ہوئی۔ اس کے بجائے انھوں نے صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا اور آخر کار اسی صبر و رضا کے عوض وہ ابدی انعام کے مستحق قرار پائے۔

آج کے دور میں بھی بلکہ ہر زمانہ میں انسان کو ابتلاء و آزمائش کی خارزار راہوں سے گزرنا پڑا ہے۔ بلکہ جو مومن و نیکوکار ہیں انھیں کچھ زیادہ ہی امتحانات کی بھٹی میں سلگنا پڑتا ہے۔ یہ ربانی اصول ہے کہ نافرمانوں کے لیے دنیا میں رسی دراز کر دی جاتی ہے لیکن نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ زندگی بھر آزماتا رہتا ہے تاکہ دنیا میں ایک مضبوط و مثالی کردار بن کر وہ ہمیشہ روشن و تابندہ رہیں۔ بعض اوقات یہ آزمائش اس قدر شدید و سخت ہوتی ہے کہ انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ اس کا وجود نیست و نابود ہو جائے گا اور آزمائش کی تند آندھیاں اس کے آشیاں کے تنکے تنکے بکھیر دیں گی، اور اس کی تمام زندگی پر ایسا اندھیرا محیط ہو جائے گا جس کو روشنی کی کوئی کرن کبھی مَس نہ کرے گی۔ محرومی و مایوسی میں انسان امید و بیم کے ہر دروازے بند سمجھ لیتا ہے۔ لیکن صبر و مستقل مزاجی کو مضبوطی سے تھامے رہنے والا جب مایوسی کی بدترین حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی رحمت سے بہتر امید رکھتا ہے تو ابر آلود مطلع آن کی آن میں صاف شفاف روشن آسمان کی صورت ظاہر ہو جاتا ہے۔ تند آندھیاں بھی اپنا رخ بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور اس بندۂ خدا پر انعام و اکرام کی بارشوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

انعام و اکرام کا حصول قربانیوں کے بعد ہی ہوتا ہے۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ یہی فطرت کا نظام ہے۔ جب ایک بلند عمارت کھڑی ہوتی ہے تو لاتعداد اینٹیں اس کی بنیاد بنانے کے لئے زمین کے اندر دفن ہو جاتی ہیں تب کہیں عمارت کو پائیداری و بلندی نصیب

ہوتی ہیں۔ یہی حال قوم کا ہے کہ قوم کے چند مستقل مزاج افراد کو خود کو مٹا کر قوم کے حال و مستقبل کو سنوارنا پڑتا ہے۔ مستقل مزاج افراد کی قربانی کی یہ مدتیں اکثر طویل تر ہوتی ہیں۔ ان کی قربانیاں اور تعمیری کام دنیاداروں اور خود غرضوں کو کبھی نظر نہیں آتے۔ لیکن ان کی مسلسل جدوجہد، اللہ پر بھروسہ اور ایمانداری کی رہ گزر ایک عظیم و خوش آئند منزل کی بشارت دیتی ہے۔

قربانی اسلام کا آفاقی اصول ہے اور اس کے مقدس حکیمانہ شعائر کا اہم ترین جز ہے۔ اور اسی قربانی کے دستور کے احیاء کے لیے ہر سال سنتِ ابراہیمی کی تقلید میں سرگرم عمل ہونے کا مظاہرہ کرنے کے لیے توحید کے پرستاروں کو احکام صادر کیا گیا تاکہ یہ رسمِ وفا زندہ و تابندہ رہے۔ رضائے الٰہی کے لیے ماہِ ذی الحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخوں میں امتِ مسلمہ کے اصحابِ نصاب و ثروت کو جانور ذبح کرنا واجب و لازم قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی پابندی کے ساتھ اس عہد محبت و عشق کو جاری رکھا۔ آپ نے قربانی کے اجراء و قیام کے متعلق جو ارشادات فرمائے ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ عمل کسی سطحی نوعیت کا نہیں کہ تاویلات کے سہارے اسے اپنا لینے اور چھوڑ دینے پر اکتفا کیا جائے بلکہ اس کا ایک اعلیٰ و ارفع مقصد ہے کہ انسان اپنے مالک حقیقی کی رضا جوئی کی خاطر اپنی خواہشات و مرغوبات کو قربان کرکے اس سے سچی محبت و الفت کرنے کا سبق سیکھے ــــ عشق و قربانی کو لازم و ملزوم قرار دیا کہ فدائیت و جاں نثاری میں اپنے خالق کے لیے متاعِ عزیز کو قربان کر دے تبھی اس کا عشق ابتدا سے انجام کو پہنچ سکے گا۔

اسلامی نظام مادہ پرستی کے خلاف ہے کہ انسان محض چند سطحی چیزوں کے لیے بے مقصد زندگی گزار کر مر جائے اور اس کی روح کربناک اذیتوں میں بھٹکتی پھرے۔ اسلام نے انسان کو بالکل آزاد اور شتر بے مہار ہونے کا قطعی حکم نہیں دیا۔ اسے چند اختیارات دیئے ہیں لیکن اس کی حد بندیاں بھی کر دی ہیں۔ اس کی رہنمائی کی خاطر باقاعدہ قانون سازی کی ہے تاکہ اس کی روح کی تشنگی بجھ سکے اور عشقِ الٰہی میں وہ دیوانہ وار رضا و رغبت اپنی تمام محبتیں اپنے مالک حقیقی کے لیے وقف کر دے۔

اسلام میں قربانی کی رسم بھی فطرتِ انسانی کے مطابق ہے۔ انسانی قربانی دینے یا بچوں کو بھینٹ چڑھانے کو وحشت و درندگی قرار دیا ہے۔ بلکہ ناحق کسی جانور تک کی ایذا رسانی کی ممانعت کی ہے۔ لیکن جانور کی قربانی چند خاص دنوں میں دینے کا حکم دیا جو حکمت و بینش سے خالی نہیں۔ بعض لوگ قربانی کے دنوں میں قربانی کی قیمت ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں جس کی کوئی قدر و قیمت و وقعت ان مخصوص قربانی کے ایام میں نہیں۔ جانور کی

قربانی کا حکم دے کر در اصل اسلام نے
کو محبت کا ادا شناس بننے کی تربیت
ہے اور یہ قربانی کی رسم محبت کا عملی ثبوت
کرنے کا موثر ترین ذریعہ ہے جو انسان
انگیزی و جذباتیت کی نشاندہی بھی کرت
جب کہ جانور ذبح کرتے وقت یا اسے
ہوتے ہوئے دیکھتے وقت بعض کی
نکل جاتی ہیں۔ خاص طور سے قربا
جانور کو جو لوگ سال بھر پال پوس کر
تندرست کرتے ہیں وہ عید قربا
روز اسے خدا کی راہ میں قربان کرتے
جانور کی قربانی کے ساتھ ساتھ سال
محبت، شفقت اور رحم کے جذبوں کی
بھی صبر و رضا کے ساتھ دیتے ہ
ان کی زبان سے تاسف کا کوئی کلمہ نہیں
اور آنکھوں سے غم و حسرت کے آنس
ٹپکتے، لیکن اپنی عزیز شے کو صرف او
اللہ کے حکم کی بجا آوری کی خاط
وچوں بند اور تازہ دم ہو کر قربان کر دیت
اس محبوب ترین ہستی کی خاط
جذبوں تک کو فنا کر دیتا ہے گو
پلے ہوئے جانور کو ذبح کرتے وقت
کلیجے پر ہی چھریاں کیوں نہ چلتی ہوں

حضرت ابراہیم کا اپنے عزیز تر
اسمٰعیل کو صرف حکم خداوندی اور خو
رب کی خاطر قربان کر دینے کا ارادہ
روح و دل کی قربانی تھی اور اللہ کی
اطاعت اور کامل عشق و محبت کی۔

یادگار بن گئی۔ یعنی عشقِ حقیقی کا اصل تصور جبھی پورا ہوگا جب بندہ اپنے معبود کی رضا جوئی کی خاطر اپنی خواہشوں، تمناؤں اور آرزوؤں کو قربان کردے اور اپنی مرضی اور ارادے کی اللہ کی مرضی کے آگے کوئی وقعت نہ سمجھے۔

ملتِ ابراہیمی کی حقیقت اسلام ہے اور اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردینا۔ اس کی اطاعت و بندگی کی خاطر اپنے آپ کو پوری طرح جھکا دینا۔ اور مسلم وہ ہے جو اللہ کو ہی اپنا مالک، آقا، حکم اور معبود مان لے اور اس کی ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے۔ اسلام کی یہ حقیقت حضرت ابراہیم کی تمام زندگی کی مختلف قربانیوں اور ایثار کے واقعات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اور حضرت ابراہیم نے بارہا اپنے رب سے دعا فرمائی کہ ان کی نسل میں وہ رسول پیدا ہو جو اسلام کی امانت کے بار کا امین ہو اور تمام عالم میں اس امانت کو وقفِ عام کردے۔ یہ رسول ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے تمام انسانیت کو وہ نظریہ محبت واخوت اور ایثار و قربانی کا جذبہ عطا کیا کہ آج دنیا آپ کو محسنِ انسانیت اور رہبر کامل کے نام سے یاد کرتی ہے ـــــ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کا ذکر عید الفطر سے پہلے پہلے کیا ہے کیونکہ یہ سنتِ ابراہیمی ہے اور حضرت ابراہیم اسلام کے موجودہ شکل کے بانی ہیں ـــــ ارشادِ خداوندی ہے۔

"اب کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے نفرت کرے جس نے خود اپنے آپ کو حماقت وجہالت میں مبتلا کرلیا ہو، اس کے سوا کون یہ حرکت کرسکتا ہے؟ ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا"

حضرت ابراہیم کی عظیم قربانی کی آج ہم یادگار منا رہے ہیں۔ تو اس قربانی اور ایثار کے جذبے کی اہمیت کو سمجھنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ یہ ایثار و قربانی دراصل تزکیہ نفس ہے تاکہ انسان شر سے قطع تعلق کرکے خیر کے حصول کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ حضرت ابراہیم اللہ کی رضا جوئی کی خاطر اپنے پیارے بیٹے حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے لئے آمادہ ہوگئے بلکہ اس سے قبل بھی حضرت ابراہیم کی زندگی میں ایثار و صبر اور ترکِ نفس کی بہترین مثالیں ملتی ہیں کہ عشقِ خداوندی سے مغلوب ہوکر وہ بے خطر آتشِ نمرود میں کود گئے۔ اس کے علاوہ محض اپنے عقیدے کے سبب انھوں نے اپنے عزیز، رشتہ دار، احباب و دوست سب سے قطع تعلق کرکے وطنِ عزیز کو خیر باد کہہ دیا۔ اور مدتوں صحراؤں اور خشک پہاڑی علاقوں کی خاک چھانتے رہے۔ یعنی آپ کی تمام زندگی مسلسل قربانیوں اور ایثار سے پُر ہے۔

الغرض یہ قربانیاں شر سے نجات حاصل کرنے کے لئے دی گئی تھیں اور آج ہم قربانی اور ایثار کے اسی جذبۂ عظیم کی یاد منا رہے ہیں۔ لیکن اسے محض ایک رسمی تیوہار کی حیثیت سے مناتے ہیں۔ جب کہ یہ عید قرباں اپنے جلو میں ان سب قربانیوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے آتی ہے جو حضرت ابراہیم تمام زندگی دیتے رہے۔ ایسی قربانیاں انسان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں قدم قدم پر دینی پڑتی ہیں۔ صرف اور صرف خیر کے حصول کی خاطر۔ آج ہم مسلمان خود اپنا محاسبہ کریں اور خود سے سوال کریں کیا ہم اپنی خواہشات نفسانی ولذاتِ دنیا اور فنا ہوجانے والی مسرتوں کی قربانیاں دنیا میں کبھی بھلے کام یا صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر دیتے ہیں یا اس کے برعکس تسلیم و رضا اور حقیقی مسرتوں کی قربانیاں بڑی آسانی سے دے دیتے ہیں۔ وہ بھی چند دنیاوی ولمحاتی مسرتوں کے حصول کی خاطر۔ ہمارا حال تو آج یہ ہے ع

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ــــ

"اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہئے کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور تمہاری کمائی ہوئی دولت اور تمہاری وہ تجارت جس کے ٹھپ ہوجانے کا تمھیں خطرہ ہے اور تمہارے رہنے کے

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

قربانی — ایک عظیم یادگار

فتح احمد بستوی مصباحی

"ماہ ذی الحجہ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام"

ماہ ذی الحجہ نہایت ہی مقدس و متبرک مہینہ ہے۔ اس مبارک مہینے کی فضیلت میں صرف یہی حدیث کافی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان دنوں میں جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے وہ عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ محبوب نہیں ہیں، یعنی دسویں تاریخ سے پہلے عشرۂ ذی الحجہ کا ایک روزہ ایک سال کے روزے کی برابری کرتا ہے اور اس کی ایک رات کا قیام (عبادت) شب قدر کے برابر ہے۔ سبحان اللہ! اور کیوں نہ ہو کہ اس باعظمت و بابرکت مہینے کا چاند نظر آتے ہی ہر قلب و نظر میں اس عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جس کی مثال آج بھی تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ مبارک مہینہ اصل میں اس جلیل القدر پیغمبر یعنی جدّ الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عظیم یادگار ہے جن کی پوری زندگی ایثار و قربانی کی عدیم المثال تصویر تھی۔ وہ کونسا امتحان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے نہ لیا ہو مگر کروڑ ہا کروڑ سلام ہو اس ذات بابرکت پر کہ کسی بھی میدان میں آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ آپ نے رضائے الٰہی کی خاطر گھر بار مال و دولت ہی نہیں بلکہ دنیا کی سب سے محبوب اور عزیز ترین شئے یعنی اولاد حتیٰ کہ اپنی جانِ عزیز بھی راہِ خدا میں قربان فرمادی۔

عظیم یادگار و سنّت

مسلمانو! اسلام میں اکثر اعمال کسی نہ کسی واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ مثلاً ایام حج میں صفا و مروہ کے درمیان حاجیوں کا دوڑنا حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ان دونوں پہاڑوں کے دوڑنے کی یاد تازہ کرتا ہے جس کے درمیان حضرت ہاجرہ اپنے لختِ جگر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں۔ خداوند قدوس کو آپ کی یہ ادا اتنی بھلی لگی کہ قیامت تک کے لئے دہما طریقہ حاجیوں کے لئے اس طرح لازم قرار دے دیا کہ اب اگر کوئی حاجی وہاں سعی نہ کرے تو اس کا حج مکمل نہ ہوگا۔



ماہ ذی الحجہ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے رب العالمین نے قربانی

طلب فرمائی۔ حضرت خلیل اللہ نے دو دنوں تک مسلسل سو سو اونٹوں کی قربانیاں کیں مگر تیسری شب آپ کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا گیا اور آپ کی قربانی طلب کی گئی چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرت ذبیح اللہ علیہ وسلم کو پورا واقعہ سنایا اور بتلایا تو حضرت اسمٰعیل نے فرمایا اے ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اسے بلا خوف و خطر پورا فرمائیں۔ انشاء المولیٰ آپ مجھے صابر و شاکر فرمائیں گے۔

الغرض جب باپ بیٹے دونوں رضائے الٰہی پر راضی ہو گئے تو باپ نے بیٹے کو زمین پر پیشانی کے بل لٹا کر گلے پر چھری کو رکھ دیا۔ صبر و استقلال اور تسلیم و رضا کا یہ منظر چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ حضرت اسمٰعیل کے گلے پر چھری پہنچتے ہی کند ہو گئی اور بالآخر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بحکم خدا جنت سے ایک مینڈھا لا کر چھری کے نیچے رکھ دیا اور حضرت اسمٰعیل کو اٹھا لیا۔ مینڈھا ذبح ہو گیا تو ندا آئی کہ اے ابراہیم تو نے سچ کر دکھایا تو اپنے امتحان میں کامیاب اور میری مرضی پر اٹل ہے۔

حاصل کلام یہ کہ خالق کائنات نے اپنے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی قبول فرمالی۔ اور یادگار کے طور پر قیامت تک کے لئے اسے باقی رکھا۔

آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہر سال ذی الحجہ کی دسویں تا بارہویں تاریخ کو جو قربانیاں ہوتی ہیں یہ اسی عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانیاں کیا ہیں؟ حضور نے فرمایا یہ تمہارے باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عظیم یادگار و سنت ہے۔ اور یہ ایسی یادگار و سنت ہے جو ہر مسلمان، آزاد مقیم اور مالک نصاب پر واجب ہے کرنے پر ثواب کا وعدہ اور نہ کرنے پر سخت وعید ہے۔ یہی نہیں بلکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دو مینڈھوں کو ذبح (قربانی) فرما کر اس عظیم یادگار، سنت کو دوام بخش دیا۔ اب اس عمل (قربانی) میں سنت خلیل اللہ اور سنت حبیب اللہ دونوں کی ادائیگی ہے۔ (بہار شریعت)

قربانی اور اس کی فضیلت

مخصوص دنوں میں مخصوص جانور کو بہ نیت تقرب ذبح کرنا ہی قربانی ہے اور کبھی کبھی ذبح کئے جانے والے جانور کو بھی قربانی کہہ دیا جاتا ہے۔ قربانی سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنت ہے جو امت محمدیہ کے لیے باقی رکھی گئی ہے۔ سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قربانی کا حکم ہوا اور فرمایا گیا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ قربانی اسلام کا ایک ایسا عظیم شعار ہے جسے نہایت ہی اہمیت و فضیلت حاصل ہے۔ اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے وسعت ہو اور وہ قربانی کرے تو وہ میری عیدگاہ تک نہ آئے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ قربانی کے ایام میں ابن آدم کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں۔ قربانی کے دنوں میں قربانی ہی کرنا لازم و ضروری ہے۔ کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ مثلاً قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کر دینا کافی نہیں ہے۔ قربانی کے جانور کے ہر ہر بال اور اون و صوف کے بدلے نیکی ہے۔ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے بال، کھر سینگ وغیرہ کے ساتھ آئے گا۔ اور قربانی کرنے والے کو پل صراط سے پار اتارے گا۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی بارگاہ ایزدی میں مقبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی خوشی دل سے اور طالب ثواب ہو کر کرنا چاہیے۔ (بہار شریعت)

قربانی کی شرائط

قربانی واجب ہونے کی چار شرائط ہیں۔ ۱۔ اسلام یعنی مسلمان ہونا۔ ۲۔ اقامت یعنی مقیم ہونا۔ مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ ۳۔ غنیٰ (تونگری) یعنی مالک نصاب ہونا۔ محتاج، فقیر اور مفلس و قلاش پر واجب نہیں۔ مال داری سے یہاں وہی مراد ہے

جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، وہ مراد نہیں جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

۴۔ حریت یعنی آزاد ہونا، غلام پر واجب نہیں۔

فائدہ:۔ قربانی جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے اسی طرح عورتوں پر بھی واجب ہوتی ہے۔ نابالغ بچوں پر اگرچہ قربانی واجب نہیں ہے لیکن ان کی طرف سے اور مُردوں کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے اسی طرح مسافر و فقیر بھی تطوع و نفل کے طور پر قربانی کر سکتے ہیں۔ (بہار شریعت)

قربانی کی قسمیں

قربانی کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ غنی اور فقیر دونوں پر واجب ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں نے منت مانی کہ للہ تعالیٰ کے لئے مجھ پر بکری یا گائے وغیرہ کی قربانی کرنا ہے تو اس منت سے ان دونوں پر قربانی واجب ہو گئی۔

۲۔ صرف فقیر پر واجب ہو غنی پر نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہو گئی۔ اگر غنی اس نیت سے خریدتا تو محض اس خریدنے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔

۳۔ صرف غنی پر واجب ہو، فقیر پر نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ قربانی کا وجوب نہ تو منت ماننے کی وجہ سے ہو اور نہ ہی خریدنے کی وجہ سے ہو بلکہ خدا نے جو اسے زندہ رکھا ہے اس کے شکریہ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے احیاء میں ہو تو یہ قربانی صرف غنی پر واجب ہے۔ (بہار شریعت)

قربانی واجب ہونے کا سبب وقت ہے

جو دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے لے کر بارھویں کے غروب آفتاب تک ہے۔ جب وقت آیا اور شرائط وجوب پائے گئے تو قربانی واجب ہو گئی۔ شہر میں قربانی کی جائے تو اس کے لئے شرط ہے کہ نماز عید ختم ہو جائے۔ نماز عید سے پہلے شہر میں قربانی نہیں ہو سکتی۔ دیہات میں ہو سکتی ہے۔

نماز عید ختم ہو گئی مگر خطبہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے تو اس صورت میں شہر میں بھی قربانی ہو جائے گی مگر مکروہ ہو گی۔ شہر میں اگر متعدد جگہوں پر نماز عید ہوتی ہے تو پہلی جگہ نماز عید کے ختم ہو جانے کے بعد پورے شہر میں ہر جگہ قربانی درست ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ محلہ ہی کی مسجد و عیدگاہ میں نماز و خطبہ ختم ہو۔ (بہار شریعت)

قربانی کے جانوروں کی قسمیں

قربانی کے جانوروں کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ اونٹ۔ ۲۔ گائے۔ ۳۔ بکری اور ان سب کی جتنی نوعیں ہیں سب داخل ہیں۔ نر، مادہ، خصی، غیر خصی، سب ایک حکم میں ہیں۔ بھینس وغیرہ گائے میں اور دنبہ و بھیڑ وغیرہ بکری میں شامل و شمار ہوتے ہیں۔ اونٹ اور گائے وغیرہ میں سات آدمی کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے۔ (بہار شریعت)

قربانی کے جانوروں کی عمریں

اونٹ پانچ سال کا، گائے دو سال کی اور بکری ایک سال کی ہونا چاہئے۔ اس سے کم عمر ہو تو قربانی جائز نہیں۔ زیادہ ہو تو جائز بلکہ افضل ہے۔ البتہ بھیڑ یا دنبہ کا چھ ماہہ بچہ اتنا موٹا اور فربہ ہو کہ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (بہار شریعت)

قربانی چار طرح کے جانوروں کی جائز نہیں

۱۔ کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو۔ ۲۔ لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔ ۳۔ بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو۔ ۴۔ لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو۔ نیز وحشی حلال جانوروں مثلاً نیل گائے اور ہرن کی قربانی نہیں ہو سکتی اور قربانی کی نیت سے مرغ ذبح کرنا ناجائز ہے۔ (بہار شریعت)

قربانی کے مستحبات اور ذبح کا طریقہ

مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور تر و تازہ ہو، فربہ اور خوبصورت ہو۔ اگر خود اچھی طرح سے ذبح کر سکتا ہے تو اپنی قربانی خود کرے ورنہ دوسرے کو ذبح کا حکم دے اور ذبح

ت حاضر رہے۔ قربانی سے پہلے جانور
و پال دیوے بھوکا پیاسا نہ ذبح کرے۔
جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ
ے۔ چھری وغیرہ پہلے ہی سے تیز کرلے۔
ے سامنے نہ تیز کرے۔ ذبح اس طرح کرے
دوں رگیں یا کم از کم تین رگیں کٹ جائیں۔
رنے کے لیے جانور کو اس طرح لٹائیں
بلہ کی طرف اس کا منھ ہو۔ پھر اپنا داہنا
س کے پہلو پر رکھ کر تیز چھری سے جلد ذبح
ے اور ذبح سے پہلے یہ دعا اِنِّیْ وَجَّهْتُ
هِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
یْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اِنَّ
لٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ
بِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ
مِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ
کَ وَمِنْکَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ
ھیں۔ اگر قربانی اپنی طرف سے ہو ذبح کے
یہ دعا اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ کَمَا
تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ وَحَبِیْبِکَ
مُحَمَّدٍ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ
ھیں اور اگر کسی دوسرے کی طرف سے ہے
بھی یہی دعا پڑھیں مگر لفظ مِنِّیْ کے
ے مِنْ فلاں ابن فلاں کہیں۔ مثلاً
اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ عبد العزیز ابن
عبد الرحیم الخ (بہار شریعت)

قربانی کے دن علی الصباح مسواک
نا غسل کرنا اچھے کپڑے اور انگوٹھی پہننا،
خوشبو اور سرمہ لگانا، صبح کی نماز جماعت
کے ساتھ محلہ کی مسجد میں پڑھنا، نماز عید
سے پہلے کچھ نہ کھانا
عیدگاہ پیدل اطمینان و وقار کے ساتھ
نگاہیں نیچی کرکے جانا راستہ میں بلند آواز سے
تکبیر تشریق اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔
پڑھنا ایک راستے سے جا کر دوسرے راستے سے
واپس آنا۔ نماز عید کے بعد آپس میں سلام اور
مصافحہ و معانقہ کرنا، ایک دوسرے کو مبارکباد
دینا۔ خوشی ظاہر کرنا اور اپنی خوشیوں میں
غریبوں اور محتاجوں کو بھی شریک کرنا صدقات
و خیرات کرنا وغیرہ مستحب ہیں۔

اور جو قربانی کا ارادہ رکھتا ہو وہ بال
اور ناخن کٹائے کیونکہ حضرت ام سلمہ
رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ذی الحجہ کا
چاند دیکھا اور اس کا ارادہ قربانی کا ہے تو
جب تک قربانی نہ کرلے بال و ناخن نہ ترشوائے۔
اور قربانی کرنے والے کے لیے یہ بھی مستحب
ہے کہ قربانی کے دن سب سے پہلے قربانی ہی
کا گوشت کھائے اس سے پہلے کوئی دوسری
چیز نہ کھائے۔

قربانی کا گوشت

قربانی چاہے اپنی طرف سے ہو چاہے
میت کی طرف سے اس کا گوشت خود بھی کھا
سکتا ہے اور دوست و احباب غنی و محتاج
سب کو کھلا سکتا ہے لیکن قربانی اگر منت
یا وصیت کی ہے تو اس میں سے نہ خود کھائے
نہ اغنیاء کو دے بلکہ سارا گوشت صدقہ
کردے۔ نیز قربانی کا گوشت خواہ کسی بھی
قسم کی قربانی ہو کفار و مشرکین کو نہ دے
اسی طرح قربانی کا گوشت یا چمڑا وغیرہ
قصاب یا ذبح کرنے والے کو اجرت نہ دے
اجرت میں قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔
قربانی کے بڑے جانوروں میں عقیقہ
بھی ہو سکتا ہے۔

قربانی کی کھال

چرم قربانی کے مستحق محتاج و غرباء مساکین
و فقراء اور مدارس اسلامیہ ہیں جن میں نادار،
یتیم بچے تعلیم و تربیت اور پرورش پاتے ہیں۔
بالخصوص چرم قربانی کا صحیح مصرف و حق دار
دنیائے اہلسنت کی وہ عظیم درسگاہ ہے جو اکناف
عالم میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ
یو۔پی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

یہی وہ ادارہ ہے جہاں سے ہر سال
کثیر تعداد میں طلباء فارغ ہو کر دیگر درسگاہوں
میں شیخ الحدیث و صدر المدرسین، شیخ الادب
والتفسیر، شیخ المعقولات والمنقولات اور
مفتی و ناظم جیسے اعلیٰ و اہم عہدوں
پر فائز ہو کر ہزاروں تشنگان علم کو سیراب
کر رہے ہیں۔

یہی وہ دارالعلوم ہے جس کے فارغین
و فضلاء صرف ہند و پاک ہی نہیں بلکہ
ایشیا و یورپ اور امریکہ و افریقہ کے آفاق پر
(باقی صفحہ ۵۰ پر)

قربانی کیا ہے؟

فتح احمد بستوی مصباحی

قربانی ہر اس شخص پر واجب ہے جو اس کے کرنے کی طاقت و استطاعت رکھتا ہو۔

قربانی کرنے والے کے لیے بہت زیادہ ثواب ہے۔

قربانی کرنے والے کے لئے عظیم خوشخبری ہے۔

قربانی صرف تین دنوں تک مخصوص ہے جو ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے نماز عید کے بعد بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے۔

قربانی کے ان دنوں میں قربانی (جانور کے ذبح کرنے) کا کوئی بدل نہیں۔

قربانی کے جانور اونٹ، گائے، بکری ہیں (اس میں تمام نوعیں داخل ہیں)

قربانی کا جانور بے عیب خوبصورت اور فربہ ہونا چاہیے۔

قربانی عیب والے جانور کی جائز نہیں۔

قربانی کی نیت سے مرغ ذبح کرنا حرام ہے۔

قربانی بڑے جانوروں میں سات لوگوں کی ہو سکتی ہے۔

قربانی کے بڑے جانور میں عقیقہ بھی ہو سکتا ہے۔

قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی مقبول ہو جاتا ہے۔

قربانی کے ہر بال کے بدلے میں بڑی نیکی ہے۔

قربانی کا جانور قیامت کے دن قربانی کرنے والے کو پل صراط سے پار اتارے گا۔

قربانی کا گوشت خود بھی کھائیں، اغنیاء فقراء اور دوست و احباب سبھی کو کھلائیں۔

قربانی کا گوشت کافر و مشرک کو دینا جائز نہیں۔

قربانی کی کھال اپنے مصرف میں لانا جائز ہے مگر غریبوں یا مدرسوں کو دے دینا بہتر ہے۔

قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا مستحب ہے۔

قربانی صرف جانور کے گلے پر چھری پھیر دینے کا نام نہیں۔

قربانی گوشت خوری اور نام و نمود کے لئے نہیں۔

قربانی اس بات کی یاد دہانی کرتی ہے کہ ہم محض شکم پری اور نفس پروری کے لئے زندہ نہیں۔

قربانی یہ ہے کہ ہمارا جینا ہمارا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہو۔

قربانی ارشاد ربانی ہے۔

قربانی حکم قرآنی ہے۔

قربانی درس ایمانی ہے۔

قربانی جذبۂ روحانی ہے۔

قربانی شان اسلامی ہے۔

قربانی خدا کا تحفہ ہے۔

قربانی اپنے بھائی کے لئے بہترین ہدیہ ہے۔

قربانی انسانی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔

قربانی یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم کی تفسیر ہے۔

قربانی امن و سکون اور صلح و آشتی کا پیغام ہے۔

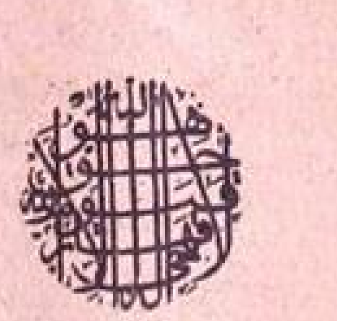
قربانی الفت و پیار، محبت و ایثار اور اخوت و مساوات کا سبق ہے۔

قربانی صبر و استقلال اور تسلیم و رضا کا درس ہے۔

قربانی غریب مفلس مفلوک الحال اور معاشرے کے ہر طبقہ کی خبر گیری کا نام ہے۔

قربانی دنیا اور مال و دولت کی محبت کم کرنے کا عزم و حوصلہ ہے۔
قربانی رضائے الٰہی پر اپنی عزیز ترین شئ لٹا دینے کا جذبۂ صادق ہے۔
قربانی اطاعت و بندگی کا مظہر ہے۔
قربانی وفاداری کا اقرار اور شکر گزاری کا اعلان ہے۔
قربانی اخوت اور بھائی چارگی کا علمبردار ہے۔
قربانی سے اتفاق و اتحاد کی تعمیر ہوتی ہے۔
قربانی نفس امارہ کا قتل ہے۔
قربانی میں شوق و خلوص کا بڑا دخل ہے۔
قربانی اللہ کی بہت بڑی عبادت ہے۔
قربانی ایمان کی حلاوت ہے۔
قربانی قناعت و سخاوت ہے۔
قربانی دارین کی سعادت ہے۔
قربانی دنیا و آخرت میں فلاح و بہبود کی ضمانت ہے۔
قربانی بہترین عبرت اور عمدہ نصیحت ہے۔
قربانی طہارت و پاکیزگی کی تلاش ہے۔
قربانی خشیت و تقویٰ کی جستجو ہے۔
قربانی اللہ و رسول کے خوش کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔
قربانی قربت خداوندی کا عمدہ ذریعہ ہے۔
قربانی فتح و کامرانی کا زینہ ہے۔
قربانی ساحل مراد اور مغفرت کا محفوظ سفینہ ہے۔
قربانی بخشش و نجات حاصل کرنے کا قرینہ ہے۔
قربانی حکم کی تعمیل اور عبدیت کی تکمیل ہے۔

قربانی احسان و وفا کی حسین تشکیل ہے۔
قربانی ابتلاء و آزمائش ہے۔
قربانی کٹھن امتحان ہے۔
قربانی نسخۂ طمانیت قلب ہے۔
قربانی اختلاج قلب کا علاج ہے۔
قربانی شجاعت و بہادری لاتی ہے۔
قربانی ہمت میں بلندی اور عزم میں پختگی پیدا کرتی ہے۔
قربانی سیرت و کردار کی اصلاح کرتی ہے۔
قربانی دل و نگاہ کو پرہیزگار کرتی ہے۔
قربانی جسم و روح کو اطاعت شعار بنا کر معصیت سے بیزار کرتی ہے۔
قربانی اعمال و عادات کو سنوارتی ہے۔
قربانی عقل و شعور میں راستی پیدا کر کے اس کی بالیدگی کا سبب بنتی ہے۔
قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔
قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔
قربانی امت محمدیہ کا فخر و امتیاز ہے۔
قربانی ہر انسان کے لئے اولیں و واحد مقصد حیات ہے۔
قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عظیم یادگار ہے۔
قربانی دین اسلام کا خوبصورت شعار ہے۔



مخزن طب

مولانا بدر الدجیٰ رضوی مصباحی

ناشر: مولانا اظہار احمد مصباحی، روضۃ المعارف ضیاء العلوم خیرآباد، ضلع مئو (یو۔پی)، صفحات ۲۳۹ سائز خورد، کتابت طباعت عمدہ، قیمت -/۱۸ روپے

کلیات، تشریحات، منافع الاعضاء، امداد ابتدائی، تاریخ اطباء و دیگر متفرق مسائل طب کا گرانقدر مجموعہ جو الٰہ آباد بورڈ کے طلباء کے لئے مفید ہے۔ فی الواقع اس جامع اور مختصر کتاب کی سخت ضرورت تھی، جسے مولف نے پورا کر کے احسان فرمایا ہے۔

درگاہ و خانقاہ

یہ دونوں مندرجہ بالا پیارے پیارے الفاظ جو لفظاً و معناً رشد و ہدایت کیلئے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے قرون متقدمہ میں یہ دونوں رشد و ہدایت کے مرکز ایک ہی جگہ جمع نظر آتے ہیں اور اب اس دور میں تاکئے اور تلاش کیجئے تو یہ دونوں الگ نظر آ رہے ہیں اور ان کے چلانے والے، ان کے ملنے والے، ان سے تعلق رکھنے والے بھی الگ ہی الگ نظر آ رہے ہیں یہ پہلے دور میں درگاہ و خانقاہ جیسے منفق تھے کہ ایک ہی مکان و زمان میں نظر آتے تھے اور ان سے تعلق رکھنے والے بھی ہر جگہ متحد نظر آتے تھے تو اب اس موجودہ دور میں زمان و مکان اور ان سے استفادہ کرنیوالے مستفید ہوں یا منتہی سب کے سب فروعی طور پر الگ الگ کیوں نظر آ رہے ہیں لہٰذا اس وقت ہم حضرات صوفیاء کرام و علمائے ذوی الاحترام سے گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ کاش کوئی بزرگ و محترم صوفی یا عالم ربانی از روئے ترحم و کرم لفظ درگاہ و خانقاہ پر مدلل و بحث ایک رسالہ مرحمت فرما سکتے — زہے نصیب جو ہماری یہ دیرینہ آرزو پوری ہو جائے۔
از فیض العارفین غلام آسی پیا حسنی رضوی غلام منزل تحصیل ملک ضلع رام پور)

حضرت قطب صاحبؒ اور اشاعتِ اسلام

بدر القادری مصباحی (ہالینڈ)

قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین کی علیہ الرحمۃ[1] ماوراء النہر کی اوش نامی ں پیدا ہوئے نسبی لحاظ سے حسینی سید یڑھ سال کی عمر میں داغِ یتیمی سے دوچار والدہ ماجدہ نے تعلیم قرآنی کے لئے بھیجا تو حضرت خضر علیہ السلام کی رہنمائی ہوئی ، ان کے ہمراہ ابو حفص نامی بزرگ کے پاس پہنچے[2] ، حضرت ابو حفص مس خام کو کندن بنانے میں کیا۔ تعلیم ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی ات پر بھی متوجہ کیا۔ اور ریاضت ہدہ کرا کے راہ سلوک پر لگا دیا۔ عمر نے تو بغداد شریف کا سفر کیا۔ جہاں ند کے اندر حضرت خواجہ غریب نواز دین چشتی کی زیارت ہوئی اور ۱۸ ارا یا کی عمر میں بیعت ہو گئے۔ (۱۷) وقت یں شیخ شہاب الدین سہروردی ، کرمانی ، شیخ برہان الدین چشتی ، ستد صفاہانی موجود تھے۔[3]

شرف بیعت حاصل کرنے کے بعد ، آپ نے گھر لوٹ کر نکاح بھی کیا مگر چند روز کے بعد زوجہ کو طلاق دے دی۔ سیاحت میں نکل پڑے بڑے بڑے اولیاء واصفیا کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عجائبات عالم کا مشاہدہ کیا۔ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری کے اشتیاق میں ہندوستان کی طرف چلے ، ملتان میں حضرت شیخ زکریا ملتانی علیہ الرحمۃ حیات تھے۔ ان کے مہمان ہوئے ، انھوں نے نہایت شفقت ومحبت کا سلوک کیا۔ حاکم ملتان قباچہ آپ کا بیحد معتقد ہو گیا ، اس نے ملتان میں قیام کرنے کی درخواست کی۔[4] آپ نے فرمایا یہ حضرت بہاء الدین زکریا کی روحانی راجدھانی ہے۔ یہ شہر الٰہی کی پناہ میں رہے گا۔

ملتان سے دہلی آئے سلطان شمس الدین التمش کا زمانہ تھا۔ سلطان فقیر دوست اور پارسا انسان تھا۔ مع ارکان دولت شہر سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا۔ اور شاہی محل میں قیام کی پیش کش کی مگر آپ نے شہر سے باہر ہی ایک جگہ قیام فرمایا۔ سلطان ہفتہ میں دو بار حاضر دربار ہوتا اس طرح شاہی ذمہ داریوں کے بہت سے کام کے لئے وقت نہ ملتا۔ حضرت خواجہ قطب صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کا احساس فرما کر شہر میں ملک اعز الدین کی مسجد میں اقامت اختیار کر لی۔

دہلی پہنچ کر پیر و مرشد سے شوق لقار اور بڑھا آپ نے اپنے آقائے نعمت کے حضور عریضہ روانہ کیا۔ اپنے مرید فرید کا خط پا کر سرکار خواجہ غریب نواز بنفس نفیس اجمیر شریف سے چل کر دہلی تشریف لائے ، ہند کے روحانی تاجدار کی دہلی میں تشریف آوری کا کیا سماں رہا ہوگا نا قابل تصور ہے وہ گھڑی جب اولیاء ہند کا شہنشاہ ہزاروں مشتاقوں کی بھیڑ میں دہلی میں وارد ہوا ہو گا۔ راویوں کے بیان کے مطابق دہلی اور اطراف دہلی کے تمام اہل فضل وکمال ، صلحاء و صوفیاء اور علماء و مشائخ حتی کہ بادشاہ

---

[1] سیر الاقطاب ص: ۱۳۲ – [2] خیر المجالس ص: ۱۸۰

[3] سیر الاقطاب ص: ۱۳۵ – [4] سیر الاولیاء ص: ۵۰

اور ان کے اعوان وارکان نے حضور غریب نواز کے دیدار اور آپ کی زیارت سے خود کو شاد کام کیا۔ عالموں میں صرف شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نہ آسکے تو حضور غریب نواز خود ان کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ شیخ الاسلام نے عرض کی، کہ خواجہ قطب الدین صاحب کی وجہ سے میری عزت و توقیر معرض خطر میں ہے۔ حضور غریب نواز نے ان کی دلداری کے لئے قطب صاحب کو اجمیر لے جانا طے کر لیا۔ یہ فیصلہ سن کر بادشاہ التمش اور عاشقان دہلی بے تحاشا پھوٹ پڑے۔ قطب صاحب سے اہل دہلی کو ایسی عقیدت و محبت تھی کہ وہ جہاں قدم رکھ دیتے وہاں کی مٹی لوگ اپنی آنکھوں سے لگاتے۔ آپ کی اجمیر روانگی کا حال سن کر شہر دہلی میں واویلا مچ گیا۔ خلق خدا دیوانہ وار قطب صاحب پر فدا ہو رہی تھی۔ یہ غایت محبت دیکھ کر حضور غریب نواز نے، قطب صاحب کو دہلی ہی میں رہنے کا حکم فرمایا[1] حضور غریب نواز کے وصال سے کچھ پہلے اجمیر حاضر ہوئے اور پیر و مرشد کی صحبت اور سجادۂ خلافت سے بہرہ ور ہو کر دہلی آگئے تھے۔ روانگی کے بیس روز بعد حضور غریب نواز اللہ کو پیارے ہوئے۔ آخری رخصتی اور فرمان خلافت کے ساتھ ساتھ قطب صاحب کو حضور غریب نواز نے اپنے دست مبارک سے اپنی کلاہ مبارک پہنائی اور شیخ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کا عصا عنایت فرمایا۔ اپنا مصحف تلاوت اور سجادہ بخشا اور فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امانت خواجگان چشت سے ہوتی ہوئی مجھے ملی تھی۔ میں نے تمہیں سونپی۔ اس کا حق اسی طرح ادا کرنا جیسے مشائخ نے کیا تاکہ قیامت کے دن مجھے مشائخ کے روبرو شرمسار نہ ہونا پڑے۔ اس نعمت کے ملنے پر خواجہ قطب صاحب نے دو رکعت نماز شکر ادا کی۔ حضور غریب نواز نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ جاؤ خدا کے سپرد کیا۔ اور منزل پہ پہنچایا اس کے بعد چند نصائح فرما کر روانہ کیا۔

میدان عمل میں

پھر دہلی پہنچ کر آپ نے اپنی درس گاہ تصوف و فقر آراستہ کی۔ اور یہ ایسی عظیم الشان درسگاہ تھی جس کے طلبا میں وقت کا بادشاہ التمش اس کے وزرا اور حاجبین و مصاحبین سے لے کر عوام الناس تک ہوتے تھے۔ حضرت قطب صاحب دار السلطنت میں رہ کر اپنی روحانی عظمت اور فقر و استغنا کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کی روح لوگوں میں منتقل فرماتے رہے۔ فقر کا یہ عالم کہ کئی کئی روز تک قطب صاحب کے اہل خانہ کو فاقہ کی نوبت آجاتی۔ ایسے میں آپ کی اہلیہ محترمہ پڑوس سے قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتیں۔ پڑوسی کی بیوی کا نے ایک دن بی بی صاحب کو طعنہ دیا اور کہا میں قرض نہ دوں تو تمہارے گھر والے بھوکوں مر جائیں گے۔ بات آپ کے کانوں تک پہنچی تو فرمایا میرے حجرے میں جو طاق ہے اس میں بسم اللہ شریف پڑھ کر ہاتھ ڈالا کرو اور جس قدر ضرورت ہو کاک (روٹی) مطلوب ہو نکال لیا کرو اور بچوں کو کھلا دیا کرو۔[2] خواجہ صاحب کے اسم گرامی کے ساتھ کاکی کا لفظ اسی مناسبت سے لگا ہوا ہے۔ آپ کے پاس تا عمر اتنا پیسہ کبھی جمع نہ ہوا جس پر زکوٰۃ واجب ہو۔

دوسری طرف جود و عطا اور سخاوت کا یہ حال کہ خانقاہ میں لنگر تقسیم ہوتا۔ اور جو کچھ ہوتا اٹھا کر نہ رکھا جاتا بلکہ فقرا کو دے دیا جاتا تھا۔ کبھی کچھ نہ ہوتا تو آپ فرماتے پانی ہی کا دور چلا دو۔

اہل دنیا کا منت کش احسان ہونا درویش کی شان نہیں۔ شاہی ملازمین میں ایک حاجب اختیار الدین نامی تھا۔ ایک بار حاضر دربار ہوا تو کئی گاؤں بطور نذر پیش کرنا چاہا۔ آپ نے اسے نزدیک بٹھایا۔ اور مصلیٰ کا کونہ اٹھا کر فرمایا اس میں دیکھو ـــ اور فرمایا آئندہ درویشوں سے ایسی گستاخی نہ کرنا ـــ اختیار الدین کا بیان ہے کہ میں نے حضرت کے مصلیٰ کے نیچے خداوندی خزانوں کے دریا موجیں مارتے ہوئے دیکھے ـــ[3] اسی طرح ایک بار بادشاہ التمش نے سونے

---

[1] سیر الاولیاء ص: ۵۴-۵۵
[2] سیر الاولیاء ص: ۴۸
[3] روضۃ الاقطاب ص: ۲۶

چاندی کے کچھ نذرانے بھجوائے تو یہ کہہ کر لوٹا دیا "میں تو اسے دوست سمجھتا تھا۔ مگر وہ دشمن نکلے۔ مال و دولت خدا کے دوستوں کو نہیں دشمنوں کو محبوب ہوتے ہیں۔" [1]

حب رسول ایمان و ایقان کی جان ہے اس لیے اللہ کا ہر ولی حب رسول میں سرشار ہوتا ہے۔ جو نبی کی محبت میں دلفگار ہوتا ہے۔ وہی بحر مراد سے پار ہوتا ہے۔ روزانہ آپ بارگاہ رسول میں تین ہزار بار درود پاک کا نذرانہ بھیجتے۔ قرآن مجید شب و روز میں دو بار ختم کرتے۔ آخر عمر میں حفظ قرآن فرمایا تھا۔ استراحت بہت کم فرماتے تھے۔ ہمہ وقت عبادت و ریاضت میں غرق رہتے۔ تلاوت کے دوران سینہ پر ہاتھ مارتے اور بے ہوش ہو جاتے۔ جب مشاہدہ کی آیت تلاوت کرتے تو مسکرا پڑتے۔ پھر عالم تحیر میں گم ہو جاتے۔ اخیر عمر میں نیند سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ مجلس سماع سے قلبی لگاؤ تھا۔ ایک بار ایک مجلس سماع میں ایک شعر پر ایسے مغلوب الحال ہوئے کہ سات شبانہ روز بے ہوش رہے صرف نماز کے وقت آنکھ کھل جاتی نماز پوری ہوتے ہی پھر حال کا غلبہ ہو جاتا۔ اسی طرح کی ایک محفل سماع میں شیخ احمد جام کا یہ شعر

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

پڑھا گیا تو آپ پر وجد طاری ہوا۔ اور آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ چار دن اور چار راتیں اس عالم میں گزریں، صرف وقت نماز افاقہ ہوتا۔ پھر وہی بے قراری و بے چینی سے تڑپنا اور بے ہوش ہو جانا۔ بالآخر اسی عالم میں خنجر تسلیم کے اس مقتول نے اسی عالم میں اپنی جان جاں آفریں کو سپرد کی۔ [2] صوفیا اور عرفا حق اسی کے لیے آپ کو "شہید محبت" کے لقب سے یاد کرتے ہیں آپ کی تاریخ وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ ہے۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں نہ ترک کی ہوں، اور نماز با جماعت تکبیر اولیٰ سے شریک ہوا ہو، یہ شرطیں سلطان شمس الدین التمش میں موجود تھیں اس لیے انھوں نے نماز پڑھائی۔ دنیائے صوفیا میں حضرت قطب صاحب کو قطب الاقطاب، قطب الاسلام، ملک المشائخ، سلطان الطریقت، رئیس السالکین، سراج اولیاء، تاج الاصفیاء کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری علیہ الرحمۃ جس شجر رحمت کو لے کر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ حضرت خواجہ قطب صاحب علیہ الرحمۃ اس کی آبیاری اور داشت و پرداخت میں عمر بھر مشغول رہے۔ ان کے دم قدم کی برکت سے ہندوستان میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے ایسے ایسے مبلغین اور صاحبان دعوت رونما ہوئے جنھوں نے ہندوستان کے اطراف و جوانب میں جاکر نہ صرف اپنی اپنی خانقاہیں قائم کیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ اس سرزمین پر اشاعت اسلام کی جو عمارت بننے والی تھی ان پاک نفوس نے اس کی بنیادوں میں ذکر جلی و خفی کے ذریعہ ایسے ستون قائم کردیے جن پر مستقبل میں اسلامی نظام حیات کی تعمیر کا کام آسان ہو سکے۔

اشاعت اسلام کی قندیلیں

جنھوں نے چراغ چشتیاں کے ذریعہ اپنے اپنے مقامات پر اشاعت دین اور دعوت اسلام کے نمایاں کام سرانجام دیئے۔

شیخ فریدالدین گنج شکر پاکپٹن، شیخ بدرالدین غزنوی دہلی، شیخ برہان الدین بلخی، شیخ ضیاء الدین رومی دہلی، سلطان شمس الدین التمش، شیخ بابا سنجری بحر دریا دہلی، مولانا فخرالدین حلوائی، شیخ احمد تمامی، شیخ حسین، شیخ فیروز، شیخ بدرالدین موتاب، شیخ خضر قلندر، شیخ نجم الدین قلندر، خواجہ پیرو، شیخ سعدالدین، شیخ محمود بہاری، مولانا محمد جاجری، سلطان نصیرالدین غازی، مولانا شیخ محمد، مولانا برہان الدین حلوائی، مولانا خضر مبین، مولانا سید، شیخ صوفی بدہنی، شیخ جلال الدین، ابوالقاسم تبریزی، شیخ نظام الدین ابوالموید، شیخ تاج الدین منور اوشی، حضرت خواجہ صاحب کے خلفاء میں سے شیخ فریدالدین گنج شکر آپ کے

---

[1] روضۃ الاقطاب ص: ۲۶
[2] فوائد الفواد ص: ۱۴۴

(باقی صفحہ ۶۷ پر)

حضرت مولانا شاہ

محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

سید شمیم منعمی

ضلع پٹنہ کا قصبہ پھلواری شریف کبھی اپنے ہی ہمنام پرگنہ کا ایک قصبہ تھا۔ اس علاقے کی قدامت سے متعلق بہتیری اطلاعات ملتی ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے زمانہ سے ہی یہاں مسلمانوں کی آبادی قرین قیاس ہے۔ مختلف وقتوں میں یہاں صوفیاء و علماء کے کئی ایک خانوادے آباد ہوئے۔ حضرت مخدوم منہاج الدین راستی اس قصبے کے اولین صاحب طریقت بزرگ کی حیثیت سے مشہور و مقبول ہیں۔ علم شریعت و طریقت کے ساتھ ساتھ منصب قضا بھی آپ کے خاندان میں عرصہ تک رہا۔ ہمعصر ہمایوں حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کا خاندان بھی اسی قصبے میں سکونت پذیر ہوا۔ باعتبار نسب اس خانوادے کی اپنی ایک الگ شناخت تھی یعنی حضرت امیر عطاء اللہ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا عبداللہ الجواد ابن حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جا ملتا ہے۔[1] اب اس قصبے کی ساری شہرت و منزلت دراصل اسی خانوادہ ہاشمی کی مرہون منت ہے۔ یوں تو بارہویں صدی ہجری تک اس خانوادے میں کئی صاحبان علم و فضل پیدا ہوتے رہے، بعضوں نے باضابطہ درس و تدریس کا بھی فریضہ انجام دیا اور کچھ امارت سے منسلک بھی رہے اور چند شخصیتیں نسبت و کیفیت کے اعتبار سے بھی یادگار ہوئیں لیکن حضرت تاج العارفین مخدوم مجیب اللہ قادری کی ذات والاصفات ہر لحاظ اور نہج سے اس قصبے کے اپنے تمام اسلاف کے لیے باعث فخر بن کر سامنے آئی۔ اس قصبے کو جیسی شہرت و منزلت آپ کے ذریعہ نصیب ہوئی اس سے قبل اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ دراصل آپ کے وجود کی برکت نے اس قصبے کو بھی جاودانی بخش دی۔

حضرت تاج العارفین اسی قصبے پھلواری شریف میں ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۹۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امیر عطاء اللہ جعفری سے اس طرح ملتا ہے۔

حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواری بن شاہ ظہور اللہ بن امیر کبیر الدین بن امیر رکن الدین بن امیر محمد حسین بن ... عطاء اللہ جعفری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

آپ کے والد حضرت شاہ ظہور ا... (المتوفی سنہ ۱۱۰۴ھ) اپنے بہنوئی حضرت ... برہان الدین المعروف لعل میاں پھلوار... مرید تھے اور آپ کی والدہ سیدہ بی بی ... حضرت سید برہان الدین خضر پوری کی ... صاحبزادی تھیں جن کا سلسلہ نسب حضر... امام سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے جا...

حضرت تاج العارفین کی عمر جب ... سے سوا ہوئی تو والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ... والد کی حیات ہی سے آپ کی نگہداشت ...

[1] امیر عطاء اللہ جعفری بن محمد سعد اللہ بن بن محمد فتح ... بن محمد محب اللہ بن محمد ہدایت اللہ بن سید محمد ... بن محمد امین بن محمد ابراہیم بن محمد المدعو بعمر دراز ... محمد عبید بن محمد حمید بن محمد اسمٰعیل بن محمد ... بن عبداللہ الجواد بن حضرت جعفر طیار

[2] سید برہان الدین خضر پوری بن سید زین العا... بن سید عبدالعزیز بن سید قطب الدین بن سید الہداد بن ... محمد اسحٰق بن سید محمد یوسف بن سید محمد خواجہ بن ... نصیر الدین بن سید حسام الدین بن سید ابراہیم ابوالحس... سید عباس ثانی بن سید حسن بن سید حمزہ بن سید ابوال... عباس بن سید علی بن سید حسین ابوالحسن بن سید علی بن ... محمد بن سید علی اکبر بن حضرت امام جعفر صادق ... امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعلیم و تربیت اپنے پھوپھا حضرت شاہ برہان الدین لعل میاں کے زیر نگرانی انجام پا رہی تھی۔ حضرت لعل میاں خود ایک صاحب سلسلہ اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت تاج العارفین کے روشن مستقبل کو آپ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں۔ حضرت تاج العارفین نے قرآن مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں آپ ہی سے پڑھیں۔ اسی درمیان حضرت لعل میاں قدس سرہٗ نے ۱۱۰۸ھ میں وصال فرمایا تو حضرت تاج العارفین کا تعلیمی سلسلہ لعل میاں کے صاحبزادے اور اپنے پھوپی زاد بھائی حضرت شاہ عماد الدین قلندر جعفری پھلواری کے زیر نگہداشت شروع ہوا۔ ۱۱۱۵ھ ہی تک حضرت تاج العارفین آپ ہی کی خدمت میں علوم صرف ونحو بلاغت و معانی فقہ و فرائض کلام و منطق و فلسفہ کی متوسطات تک پہنچ گئے۔ حضرت عماد الدین قلندر بڑے ہی کاسب اور شاغل بزرگ تھے۔ آپ کے معمولات میں اوراد و وظائف کی کثرت تھی۔ اور اکثر و بیشتر کئی کئی اربعین بھی سال میں شامل معمولات ہو جاتے تھے۔ جس کی وجہ سے حضرت تاج العارفین کا سلسلہ تعلیمی رک رک کر چلتا تھا۔ اس عمر میں حضرت تاج العارفین کا لباس طالب علمی میں عظیم آباد آنا بھی شامل ہے۔ عظیم آباد میں کس جگہ تشریف لاتے تھے صحیح مقام کا تعین مشکل ہے لیکن مقامی پچھم دروازہ سے پورب ہی کہیں وہ جگہ تھی۔ ۱؎ اسی دوران حضرت تاج العارفین نے حضرت مولانا محمد وارث قادری بنارسی قدس سرہٗ کے تبحر علمی کا چرچا سنا تو حصول نیاز کے لئے دل بے چین ہو اٹھا۔

اپنے استاد و مربی حضرت عماد الدین قلندر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑے ہی ادب کے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عماد نے تاج العارفین کی خواہش کو سراہا اور اجازت عطا فرما دی۔ چنانچہ اپنے ہم عمر حضرت شاہ محمد مخدوم کے ہمراہ آپ بھی بنارس روانہ ہوئے اور حضرت مولانا وارث قدس سرہٗ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ چونکہ حضرت تاج العارفین حصول علم کے بہت حریص تھے اور زود فہم بھی تھے اس لئے اکثر و بیشتر وقت آپ کا مطالعہ کتب میں گزرتا تھا۔ لیکن بنارس کی آب وہوا میں آپ نے ایسا محسوس کیا کہ دوران مطالعہ نیند کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ آپ نے مطالعہ کتب میں اس رکاوٹ سے بچنے کی جو ترکیب نکالی اس سے آپ کے ذوق و شوق مطالعہ کا کما حقہ پتہ چل جاتا ہے۔ یعنی تاج العارفین نے اپنے سر کے بالوں کو دراز کر لیا اور جب بھی نیند کا غلبہ محسوس کرتے تو ایک رسی بالوں میں باندھ کر اسے باندھ دیتے اور مزید یہ کہ بیٹھنے کی جگہ پر سنگریزے بکھیر دیتے تاکہ نشست میں ان سنگریزوں کی چبھن کبھی بھی آرام کا احساس نہ ہونے دے۔ جو غلبۂ نیند کا باعث بنے۔ ساتھ ہی ساتھ مقدار غذا میں بھی کافی کمی کر دی۔ ایک اندازے کے مطابق حضرت مولانا وارث بنارسی قدس سرہٗ کی خانقاہ میں بیس نفوس تھے اور انتظام خانقاہ محض توکل پر قائم تھا۔

چنانچہ ایک سیر آٹے میں ان دنوں ساٹھ روٹیاں پکتیں اور تین تین روٹیاں ایک کے حصے میں آتیں۔ لہٰذا زیادہ تر طلبا نے اپنے طعام کے لئے دوسری جگہوں پر بھی انتظامات کئے لیکن حضرت تاج العارفین اپنے لئے غلبۂ نیند میں تین روٹیوں کو بھی مددگار خیال کرتے ہوئے صرف ایک روٹی پر قناعت کرتے اور اپنے حصے کی بقیہ دو روٹیوں کو خانقا
کے خدام میں تقسیم کر دیتے۔

ان تمام صفات نے حضرت مولانا
وارث بنارسی کو بہت جلد اپنی طرف متوجہ
کرا لیا۔ حضرت مولانا وارث بنارسی قدس سرہٗ
علوم شریعت کے ایک مستند استاد ہونے
کے ساتھ ساتھ ایک پیر طریقت بھی تھے اور
دونوں قسم کے فوائد کے لئے آپ کا دروازہ ہمیش
کھلا رہتا تھا۔ حضرت تاج العارفین بھی اپنے
استاد کو درس دینے کے ساتھ ساتھ دل کی
دنیا سنوارنے میں بھی مشغول دیکھا کرتے تھے
مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہوئے
بھی دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے دل
میں بھی مولانا سے فوائد ظاہری کے ساتھ سا
استفادۂ باطنی کا شوق بھڑک اٹھا لیکن یہ
خیال آیا کہ اپنے مشفق و مربی سے اجاز
لئے بغیر ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ چنا
حضرت عماد الدین قلندر پھلواروی سے اس
سلسلے میں مستفسر ہوئے۔ حضرت عماد نے تاج ا
کو حضرت مولانا وارث بنارسی کے بلند مقا

۱؎ تذکرۃ الکرام کی وہ روایت ملاحظہ ہو جس میں شاہ کل
مجذوب کا تاج العارفین کو دیکھ کر مؤدب ہونے کا

سے پردہ اٹھاتے ہوئے ان کے "رسول نما" کے مرتبے پر فائز ہونے سے مطلع کیا اور اجازت کے ساتھ ساتھ اس امر پر اپنی خوشی کا بھی اظہار کیا۔ اور اس طرح حضرت تاج العارفین حضرت مولانا وارث رسول نما بنارسی علیہ الرحمۃ کے حلقۂ ارشاد میں شامل ہوئے۔

حضرت مولانا وارث رسول نما بنارسی اپنی صفات کے اعتبار سے یکتائے روزگار تھے، زمانہ آپ کا مداح اور قدردان تھا۔ قال کی جگہ حال کا غلبہ تھا۔ مسترشدوں کو مشاہدات کے ذریعہ عقائد میں حق الیقین کی منزل تک پہنچانے میں آپ بے مثل تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ کی مجلس میں سرکار دو عالم عالم علم اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کے دیدار کا ذکر نکل پڑا۔ دوران گفتگو حضرت تاج العارفین نے بے قراری کے ساتھ کہا۔

"بندہ ہم شوق ایں معنی و تمنائے ابدی بحدے دارد و بوساطت استخارہ دو سہ مرتبہ بایں دولت بے بدل فائز شدہ است"

حضرت مولانا رسول نما بنارسی قدس سرہٗ نے فوراً گرفت فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا۔

"باستخارہ و خواب ازاں بارگاہ عالم پناہ مشرف شدن چہ معنی دارد۔ دیدن زندہ بچشم سر متعلق است نہ بخواب۔ داہد متعلقہ جسمانی جسم را اعتبار است نہ روح را۔ و آنحضرت باتفاق ارباب ظاہر و باطن زندہ است صلی اللہ علیہ وسلم۔ بجز نقل مکانی دیگر تغییر از فتن وے صلی اللہ علیہ وسلم روا نیست، و ملاقات روحی کہ تعلق بخواب دارد مخصوص بہ مردگانست"

زبان فیض ترجمان سے اس ارشاد حقیقت نے گویا مجمع پر سکتہ طاری کر دیا حضرت تاج العارفین کی بے قراری اور بڑھ گئی اور جمال جہاں آرا صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی تڑپ نے جرأت بخشی چنانچہ حسرت کے ساتھ اپنے مرشد سے سوال کیا۔

"آیا دریں زمانہ ہم امر ممکن الوقوع است یا مخصوص بہ پیشینیاں بود"

حضرت رسول نما قدس سرہٗ العزیز نے جو اعلان فرمایا وہ درحقیقت رسول نما ہی کا حصہ ہے۔

"صاحب دریں زمانہ ہم ممکن است"

اور یہی نہیں بلکہ یہ بھی۔

"اگر شما ہم خواہید ممکن است و میسر شدن می تواند، امر محال نیست"

غرض کہ حضرت تاج العارفین نے اپنے مرشد کی صحبت میں اس نعمت عظمیٰ اور حاصل زندگی سے بھی اپنی ذات کو منور کیا اور حسب ارشاد مرشد سبھی ریاضات و مجاہدات بجا لائے اور وہ بھی اس طرح کہ ایک روز حضرت مولانا رسول نما علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

"آیا شیخ زماں خواہی شد کہ ایں قدر باستعجال تمام ترقی می شود"

سات سالوں کا عرصہ تاج العارفین نے حضرت مولانا رسول نما کی خدمت میں گزارا اور خصوصی طور پر طریقہ وارثیہ اویسیہ در رود طریقہ کی تکمیل فرمائی اور ۱۱۲۳ھ میں خرقۂ خلافت و سند فراغ کے ساتھ ساتھ مثال سے بھی نوازے گئے۔

اس نعمت عظمیٰ کے حصول سے قبل ہی ۱۱۲۲ھ میں جب کہ آپ بنارس سے اپنے وطن پھلواری تشریف لائے اپنے استاد و مربی حضرت شاہ عماد الدین قلندر پھلواروی کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ قطبیہ مجاہدیہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا اور خرقۂ خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے حضرت عماد کو اپنے والد حضرت شاہ برہان الدین لعل میاں اور اپنے شیخ حضرت شاہ محمد فاضل سادھوری سے جن جن سلاسل کی اجازتیں حاصل تھیں وہ تمام کی تمام حضرت تاج العارفین کو عطا فرمائیں۔

۱۱۲۳ھ کے آخر میں حضرت عماد الدین قلندر جب بہت زیادہ علیل ہوئے تو آپ نے تاج العارفین کو بذریعہ رقعہ بنارس سے اپنے پاس بلا لیا۔ یہاں تک کہ

۱؎ حضرت عماد الدین قلندر عن شاہ محمد فاضل سادھوری عن شیخ عبد الرسول عن شاہ محمد مجتبیٰ عرف قلندر لاہر پوری عن شیخ عبد القدوس جون پوری عن شیخ عبد السلام عرف علن جونپوری عن شیخ محمد جونپوری عن حضرت قطب الدین بینائے دل جونپوری۔

۱۰/ جمادی الاول ۱۱۲۴ھ کو حضرت عماد نے اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ حضرت عماد الدین قلندر کے وصال کے بعد ان کے اولاد کی پرورش اور خانہ داری کی ذمہ داری بھی تاج العارفین پر آ گئی چنانچہ پھلواری ہی میں باضابطہ قیام کی ابتدا ہوئی۔

حضرت تاج العارفین کا آبائی مکان وسط آبادی میں تھا جسے جگہ کی تنگی کی وجہ سے آپ کے والد نے اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا اور جہاں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی مسجد و سماع خانہ اور خلوت وغیرہ ہے، اس زمین کو خرید کر مکان بنایا۔ حضرت شاہ ظہور اللہ کے وصال کے بعد حضرت تاج العارفین اور آپ کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ جار اللہ کے درمیان آٹھ آٹھ آنے پر مسجد اور سفال پوش دالان تعمیر کیا۔ جو آج بھی مزید تعمیرات و تزئین کے ساتھ مسجد و خانقاہ مجیبیہ ہے۔ حضرت تاج العارفین کے حصے میں مکان کا جو حصہ آیا اس کے گوشے میں آپ خود رونق افروز رہتے اور اس سے متصل مختصر قطعے کے زنان خانہ میں آپ کے اہل و عیال۔ حضرت تاج العارفین کی جائے قیام ان کی حیات ہی سے خلوت کے نام سے مشہور ہے جو آج بھی مزید اضافے اور تعمیرات کے ساتھ سجادہ نشینان تاج العارفین کی خلوت کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ خلوت کا یہ مکان تاج العارفین کے عہد میں سفال پوش تھا کیونکہ حضرت کو پختہ مکان اپنے لیے بنوانا پسند نہ تھا اس لیے آپ نے زندگی میں پختہ مکان تعمیر نہ کیا۔ اس رہائشی مکان کے علاوہ حضرت تاج العارفین کو کم و بیش گیارہ بیگھہ اراضی موضع رسول پور میں تقسیم ہو کر ملی تھی جو حضرت شاہ جار اللہ کے انتظام میں رہتی۔ جو کچھ آمدنی ہوتی حضرت جار اللہ تاج العارفین کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ اور حضرت اسے بے چون و چرا عطیۂ الٰہی سمجھ کر قبول کر لیتے۔

۱۱۲۵ھ سے حضرت تاج العارفین خانہ نشین ہو کر جادۂ توکل پر گامزن ہوئے اور ارشاد و ہدایت خلق اللہ کے ساتھ ساتھ درس و تدریس میں بھی مصروف ہوئے تو ایک عالم آپ سے سیراب ہوا۔

کہتے ہیں کہ حضرت تاج العارفین پھلواری میں باضابطہ قیام کے بعد سجادۂ رشد و ہدایت پر متمکن ہونے سے قبل اپنے احاطہ مکان میں واقع املی[1] کے درخت کے نیچے ایک طویل عرصے تک مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول رہے چنانچہ حضرت سید شاہ عطا حسین فانی دانا پوری ثم گیاوی کیفیت العارفین میں فرماتے ہیں۔

"مسموع است در صحن این خانقاه
قبل بنای خانقاه درخت تمر ہندی
بود در زیر آں درخت درویش
صاحب کمال مشغول بودند چند
سال نہ غم و الم خورش اہل و عیال
نہ گزند بارش باران توکل به افضال
رحمٰن چون وقت فیاضی شان
شہرت شد کمال از دیار و امصار
رجوع خلائق گردید طریقه تربیت
و بیعت شد جاری۔ از آنجا که
رشد و فیضان از جانب حق شد
طاری" صد ۵۴

حضرت فانی کی دوسری تصنیف کنز الانساب سے اس طویل عرصے کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

"و می گویند تا دوازده سال قریب
تر به ہمین ریاضت مجاہده
کردند زیر درخت تمر ہندی کار رجوعات
خلائق شد پیدا کیفیت و کرامات
شد ہویدا" صد ۳۲۶

اس درمیان حضرت مولانا وارث رسول نما بنارسی اور حضرت تاج العارفین کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اور گاہ گاہ حضرت تاج العارفین بذات خود اپنے مرشد کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہے۔ ان خطوط میں حضرت مولانا تعلیمات کے علاوہ حضرت تاج العارفین کے ترقی مدارج اور عروج منازل کا بھی پتہ دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا بنارسی کا ایک مکتوب جس میں مرشد بنارسی اپنے مسترشد پھلواروی کو کس طرح مخاطب کرتے ہیں ولی را ولی می شناسد کے مقولے کو سامنے رکھ کر ملاحظہ ہو۔

---

[1] اس درخت کا ذکر حضرت امان علی ترقی نے بھی اپنی طویل مثنوی میں کیا ہے۔ مصنف کیفیت العارفین و کنز الانساب نے بھی اس درخت کو دیکھا تھا بقول صاحب اعیان وطن یہ درخت ۱۲۴۹ھ میں کٹ گیا۔

"بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔
الحمد للہ رب العالمین۔
والصلوٰۃ علی حبیبہٖ
وآلہ الکریم۔ فرزندم
شیخ الطریقت آفتاب ہدایت
میاں شیخ مجیب اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔
بعد سلام واشواق و دعوات۔
مزید عمر و ترقی درجات و جمعیت
مکرر۔ بعد انسداد چند ایام
کہ بہ آں سبب تعلق خاطر ہم زیادہ
شدہ رسیدہ مسرت نمودہ
حق تعالیٰ ترقی ہر روز و ہر صبح
وشام می نمودہ باشد و در عشق
خود سوزان افروختہ چوں شمع
روشن روشنی بخش دار دو پروانہا
مشاقان نور اصلی راموصل
دار دو بمراتب شمولا احقر رساند۔"

حضرت تاج العارفین کا شہرۂ فیاضی دور دور جا پہنچا۔ آپ کے عزیزان و اقربا نے کثرت سے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور دور دراز کے باشندے بھی آپ کے فیض صحبت سے مستفیض ہونے لگے۔

واردین و صادرین کا ہجوم بڑھتا گیا۔ ان سے جو نذورات آتیں وہ انھیں کی خدمت میں صرف ہوتیں جو رقم بچ رہتی وہ بقدر مایحتاج اپنی اور اہل وعیال کی ضرورت میں کام آتی۔

مولوی امان علی ترقی فرماتے ہیں۔

زفیض او ہزاراں کامیاباں
زخود رفتند سوئے حق شناساں
وہر آں کس راکہ دید از لطف یکبار
شدہ از بادۂ توحید سرشار

محمد علی خاں انصاری "تالیف محمدی" میں فرماتے ہیں۔

"بسیارے از صغیر و کبیر معتقد و
مرید آں جناب اند"

مریدین کے علاوہ خلفاء کی تعداد بھی کثیر ہوئی۔ مولانا حکیم شاہ محمد شعیب مجیبی پھلواروی نے اعیان وطن میں حضرت تاج العارفین کے اکتیس خلفاء کا ذکر کیا ہے۔ جن میں چند مشہور و معروف ہستیاں یہ ہیں۔

۱۔ شاہ احمد عبدالحق (پسر کلاں) (۲) شاہ احمد عبدالحیٰ (پسر ثانی) (۳) شاہ نعمت اللہ (پسر خورد و سجادہ) (۴) شاہ غلام نقش بند سجاد (خویش) (۵) شاہ نور الحق تپاں (نبیرہ کلاں) (۶) شاہ محمد شمس الدین ابوالفرح (نبیرہ) (۷) ملا وحید الحق ابدال (خویش) (۸) مولانا شاہ عبدالمغنی (۹) شاہ غلام سرور جعفری (۱۰) شاہ مسیح اللہ عیسیٰ پوری (۱۱) شاہ سعد اللہ فریدی (۱۲) شاہ غیاث الدین عظیم آبادی (۱۳) شاہ محمد اکرم (۱۴) شاہ بدیع الزماں بیتھوی (۱۵) شاہ خدا بخش (۱۶) شاہ محمد لکھنوی (۱۷) شاہ محمد کریم بن شاہ محمد مقیم (۱۸) شاہ عصمت اللہ ساکن سائیں ہرلہ۔

حضرت تاج العارفین کو حضرت عماد اور حضرت رسول نما بنارسی کے علاوہ چار دوسرے بزرگوں سے بھی سلاسل کی اجازتیں پہنچی تھیں وہ چاروں بزرگ حضرات یہ ہیں۔

۱۔ حضرت شاہ ابوالقاسم ابوالعلا[ئی] المعروف بشاہ قاسم ڈھولکی سے سلسلۂ نقشبن[دیہ] ابوالعلائیہ کی اجازت حاصل کی اور انھیں [نے] اپنے بعض سلاسل کی اجازت عنایت فرمائی۔

۲۔ حضرت ملا محمد عتیق بن ملا محمد سمیع بن [ملا] عبدالنبی بہاری سے سلسلہ امامیہ عشقیہ کی اجازت ملی۔

۳۔ حضرت شاہ سلطان نقشبندی بلیاوی سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی اجازت لی اور انھیں طریقہ وارثیہ اویسیہ کی اجازت عطا کی۔

۴۔ حضرت شاہ معز الدین سے سلسلہ قادریہ وچشتیہ و مداریہ کی اجازت پہنچی۔

بعض نے حضرت معز الدین کو "کورجوی" لکھا ہے لیکن میری نگاہ سے خانقاہ عمادیہ میں تاج العارفین دست خاص کا نوشتہ شجرہ گزرا جس میں "کورجوی" کے بجائے "کرنجوی" لکھا ہے۔ حضرت معز الدین کی شخصیت میں بڑا اختلاف ہے۔ ان کا شیخ بیارے کی اولاد ہونا، بہار شریف کے محلہ چشتیانہ سے تعلق اور پٹنہ اور داناپور کے درمیان واقع کورجی سے نسبت توطن سبھی مانتے ہیں۔ لیکن حضرت حکیم شعیب صاحب کے نزدیک وہ حضرت احمد چرم پوش کی اولاد میں تھے اور صاحب کنز الانساب انھیں بابا فرید گنج شکر کی اولاد بتاتے ہیں۔ صاحب

اعیان وطن حضرت معز الدین کو پیر محمد سلونی کا خلیفہ بتاتے ہیں جن کا وصال سنہ ۱۰۸۲ھ میں ہوا جب کہ حضرت پیر محمد سلونی کے خلفاء میں حضرت معز الدین کا نام نہیں ملتا ہے (خاتم سلیمانی) بعض کے نزدیک حضرت معز الدین کا وصال بھی ۱۰۸۴ھ کے قریب ہوا لیکن صاحبان پھلواری ان کا سن وصال ۱۱۲۷ھ بتاتے ہیں واللہ اعلم۔

تاج العارفین فریضہ رشد وہدایت کے ساتھ درس وتدریس میں بھی مستعد رہتے اور بقول حضرت شاہ محمد سلیمان پھلواروی تاج العارفین کی خانقاہ میں غیر مسلم طلباء بھی درس لیتے تھے۔ اور ہندو طلباء کو خشک جنس بجائے پکے ہوئے کھانے کے خانقاہ کی طرف سے دی جاتی تھی۔

حضرت تاج العارفین کے ہمعصر مشائخ سے بھی خوب روابط تھے چنانچہ صاحب اعیان وطن فرماتے ہیں — "قطب الاقطاب مخدوم منعم پاک قدس سرہٗ باوجودیکہ آپ سے عمر میں بڑے تھے مگر نہایت وقیع الفاظ سے یاد فرمایا کرتے، تاج العارفین بھی آپ کی ملاقات کو اکثر وبیشتر پٹنہ تشریف لے جاتے اور اپنے اعزا کو بغرض حصول برکت صحبت حضرت مخدوم سے ملنے کی تاکید فرماتے تھے[۱۸] حضرت مخدوم منعم پاک کے خلفاء میں حضرت شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادی، حضرت مخدوم شاہ حسن علی اور حضرت مولانا سید شاہ حسن رضا رائے پوری کی بھی تاج العارفین سے ملاقات وتعلقات ثابت ہیں۔ حضرت سید شاہ غلام حسین منعمی دانا پوری بھی بزرگان پھلواری شریف سے کماحقہ واقف تھے اور آپ کے سسرال رشتہ دار تاج العارفین کے معتقدین میں تھے۔ حضرت شاہ قطب الدین بساون منعمی کورجوی[1] سے بھی تاج العارفین کے تعلقات قرین قیاس ہیں۔

علماء ومشائخ جو پچھم سے پٹنہ آتے یا پٹنہ سے پچھم کی طرف جاتے تو اکثر وبیشتر تاج العارفین سے ملاقات کی خاطر پھلواری شریف میں توقف فرماتے چنانچہ حضرت مخدوم سیدنا عبداللہ بغدادی (در اولاد حضرت غوث الاعظم) نے بھی اپنے پورب کے سفر میں تاج العارفین کی خاطر پھلواری میں توقف فرمایا اور عظیم آباد میں حضرت سیدنا عبداللہ کے اعزاز میں جو صوفیاء ومشائخ کی مجلس مرتب ہوئی اس میں بھی تاج العارفین نے شرکت فرمائی۔

حضرت سلطان بہار مخدوم جہاں کے آستانہ پر حضرت تاج العارفین کی حاضری کے شواہد ملتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کے علاوہ گیارہویں صدی ہجری کے عظیم المرتبت مشہور ومعروف صاحب سلسلہ بزرگ حضرت دیوان شاہ ارزاں کی روح پر فتوح اور آستانہ بافیض سے بھی تاج العارفین کی عقیدت اور قربت کے بالواسطہ ثبوت ملتے ہیں صاحب تذکرۃ الکرام حضرت شاہ نعمت اللہ بن حضرت تاج العارفین سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار وسیع پیمانے پر ہنگامہ برگیان (کذا) ہوا۔ اور کافی لوگ بے گھر ہو گئے حضرت تاج العارفین بھی ترک وطن کر کے عظیم آباد تشریف لے آئے۔ چندے توقف کے بعد اپنے خلفاء میں سے ایک حضرت شاہ محمد اکرم کو حضرت شاہ ارزاں قدس سرہٗ کے آستانہ پر حاضری کا حکم اس لئے دیا کہ وہ دریافت نمایند کہ مرضی شریف چیست؟ بوطن روم وآباد شوم یا چندے توقف دریں شہر گزینم" حضرت شاہ اکرم حسب حکم آستانہ پر حاضر ہوئے اور رجوع کیا یہاں تک کہ حضرت شاہ ارزاں نور اللہ مرقدہٗ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور سوال کا جواب یہ پایا کہ

"مجیب دعوت المضطرین بقصبہ پھلواری شریف بہ بروند فی الفور"

چنانچہ حضرت تاج العارفین فوراً وطن لوٹ گئے۔ حضرت تاج العارفین کو حضرت شاہ ارزاں قدس سرہٗ کی بارگاہ سے عطا کردہ خطاب "مجیب دعوت المضطرین" کتنا عزیز تھا اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ آج تک تاج العارفین کے عرس مجالس میں

---

[1] حضرت قطب الدین بساون کورجوی بن محمد مراد بن محمد بن محمد زکریا بن محمد یحییٰ بن رکن الاسلام بن شیخ معز الدین کورجوی

جو قل خوانی ہوتی ہے اس میں تاج العارفین کا یہی خطاب معمول میں شامل ہے۔

شہر پٹنہ میں حضرت تاج العارفین کا حویلی وجوہ الدین میں بھی قیام پذیر ہونا ثابت ہے۔ اسی حویلی میں قیام کے دوران حضرت مخدوم سید سلطان اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ سے تاج العارفین کو فیض روحی کے ساتھ ساتھ اجازت سلسلہ عطا ہوئی تھی۔

شاہ عالم ثانی نے بھی اس اطراف میں اپنے قیام کے دوران حضرت تاج العارفین کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا تھا۔ حضرت تاج العارفین کے منجھلے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالحئی اپنے قیام دہلی کے دوران حکام و سلاطین مغلیہ سے مانوس تھے اور ان کے ذریعہ دربار تک حضرت تاج العارفین کا شہرہ فقر و درویشی جا پہنچا تھا۔

نواب قاسم علی خاں کے بھی تاج العارفین کی بارگاہ میں حاضری کے ثبوت ملتے ہیں۔ نواب موصوف نے خرچ خانقاہ کے لئے یومیہ مقرر کرنے سے متعلق ایک پروانہ بھی تاج العارفین کی خدمت میں بھیجا تھا جس کے جواب میں حضرت تاج العارفین نے اسی پروانہ کے پشت پر متوکلانہ شان کے ساتھ یہ لکھ کر واپس کر دیا تھا۔

"بر در کریمے کہ نشستہ ایم الی الآن
مقرر و معین ما را بندہ بکرد
و کاسۂ رزق ما را نہ شکستہ کہ بر در
دیگرے رویم" والسلام

بارہویں صدی ہجری کے صوفیائے کاملین میں حضرت تاج العارفین کا مقام بہت نمایاں ہے۔ زمانہ آپ کے کمالات کا معترف ہے میر جان علی بن سید عبدالواحد بلگرامی مصنف بحر ذخار حضرت تاج العارفین کی عظمت و بزرگی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کرتے ہیں۔

"من بخدمت آں حضرت رسیدہ
ام از عنایت ریاضت وجودش
تودۂ نور بود از نہایت صفائی قلب
آئینہ جہاں نما در بغل داشت
اظہار محامد آنش زائد از امکان
تحریر و بیان کمالاتش از احاطۂ
تقریر"

حضرت شاہ محمد امین ثبات بہاری زیب سجادۂ مخدوم جہاں روضۃ النعیم میں فرماتے ہیں۔

حضرت مجیب اللہ پاکیزہ
صفات آنکہ در خیل بزرگان ست
سراپا برکات"

صاحب تالیف محمدی یوں رقم طراز ہیں۔

"آں حضرت را از مشائخ عظام
صوبہ بہار می شمارند و آنجناب
از خوان نعمت سلسلۂ عالیہ صوفیہ
حلاوتہا بر داشتند"

صاحب کیفیت العارفین فرماتے ہیں۔

"ایں چنیں رشد شد پیدا کہ
پیر ہم بر ایشان شدند فریفتہ
و شیدا"

مولوی امان علی ترقی بھی کہتے ہیں۔

پر از نور معارف دیدہ شانش
یک عالم شد مرید خاندانش

حضرت تاج العارفین کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی حضرت شاہ محمد ابو تراب بن حضرت شاہ برہان الدین لعل میاں پھلواروی کی صاحبزادی کا بی بی حمیدہ سے ہوئی جن سے دو صاحبزادے حضرت شاہ عبدالحق، حضرت شاہ عبدالحئی اور پانچ صاحبزادیاں بی بی عبیدہ، بی بی وحیدہ، بی بی حبیبہ، بی بی زینب اور بی بی رابعہ بصریہ تولد ہوئیں۔

دوسری شادی دیوان سید مصطفےٰ کی اولاد میں محمد شاہ بن شاہ نور اللہ نظام پوری کی صاحبزادی بی بی طالعہ سے ہوئی۔ جن سے ایک صاحبزادے حضرت شاہ نعمت اللہ اور چھ صاحبزادیاں عزت النساء، زیارۃ النور، بی بی نعمت، بی بی عارفہ، بی بی ریحانہ، اور بی بی عائشہ تولد ہوئیں۔

خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی حضرت تاج العارفین کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالحق کی اولاد سے خوب صورت تسلسل کے ساتھ آباد ہے۔ اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی آبادی حضرت مولانا شاہ بدرالدین پھلواروی علیہ الرحمۃ سے اس وقت تک تاج العارفین کی صاحبزادی ریحانہ زوجہ ملا وحید الحق ابدال پھلواروی کی اولاد سے قائم ہے اور فیضان

جاری و ساری ہے۔[1]

حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی بھی تاج العارفین کے پوتے حضرت شاہ محمد امام بن حضرت شاہ ابوالحسن فرد پھلواروی کی اولاد دختری میں تھے۔ حضرت تاج العارفین کی اولاد میں علماء و فضلاء اور صوفیاء کی کثیر تعداد ملتی ہے۔

حضرت تاج العارفین کی تصنیفی خدمات کی یادگار میں رسالہ "فضل النبی" کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت تاج العارفین نے اپنے مرشد حضرت وارث رسول نما بنارسی کے ملفوظات بھی جمع کیے تھے۔ جو چھوٹے بڑے کئی رسائل کی شکل میں موجود ہیں۔ مثلاً رسالہ در بیان اذکار سلسلہ قمیصیہ و اولیسیہ، رسالہ وارثیہ نبویہ، ملفوظ درود وغیرہ ملفوظات کی ترتیب میں تاج العارفین حد درجہ محتاط تھے چنانچہ ان کا یہ بیان اس کا بین ثبوت ہے۔

"و فقیر خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محمد مجیب اللہ قادری موجب حکم حضرت پیر دستگیر بلفظ و عبارتہ بلا تفاوت زیادہ و نقصان چنانچہ از زبان فیض ترجمان شنیدہ بقید قلم آوردہ۔"

حضرت تاج العارفین کا معمول یہ تھا کہ جیسے بھی اوراد یا سلاسل کی اجازت عنایت فرماتے تو اسے اس سے متعلق ملفوظ یا اوراد کو بھی دست خاص سے رقم فرما کر دستخط خاص سے مزین فرما کر عطا فرماتے۔ چنانچہ خانقاہ مجیبیہ میں ملفوظات حضرت رسول نما کے دو نسخے ہیں ایک تاج العارفین نے اپنے صاحبزادے حضرت عبدالحئی کے لیے اور دوسرا حضرت شاہ نعمت اللہ کے لیے لکھا تھا۔ (اعیان وطن) حضرت شاہ محمد سلیمان پھلواروی کے پاس بھی تاج العارفین کے دست خاص کا نوشتہ ملفوظ تھا (خاتم سلیمانی) خانقاہ عمادیہ منگل تالاب میں بھی ملفوظ کے تین نسخے میری نگاہ سے گزرے جن میں دو حضرت تاج العارفین کے دست خاص کے نوشتہ ہیں اور ایک حضرت شاہ علی امیر الحق بن حضرت شاہ ظہور الحق عمادی کا نوشتہ ہے۔

اختصار کی وجہ سے ملفوظات سے کچھ نقل کرنا تو مشکل ہے لیکن نمونتہً زمانہ حال کے ایک مسئلہ پر حضرت تاج العارفین کے مرشد حضرت مولانا وارث رسول نما بنارسی قدس سرہٗ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ ملفوظ کا موضوع اذان و نماز ہے۔

"و در شہادت رسالت نیز اجابت باد از این عبارت بکند و نزدیک ذکر اسم حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ناخن ہر دو ابہام وار بر چشم گذارد و گوید صدقت یا رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیک و ذالک متعنی بالسمع والبصر و توجہ بسوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کند و اہل ملاحظ حضور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمایند۔"

حضرت تاج العارفین کے پوتے حضرت شاہ نورالحق طپاں نے حضرت تاج العارفین کے احوال میں ایک رسالہ "انوار طریقت" تالیف کیا ہے۔ جس کی حیثیت بزرگان پھلواری پر پہلے تذکرے کے ساتھ ساتھ کسی حد تک تاج العارفین کے ملفوظ کی بھی ہے۔ خانقاہ عمادیہ میں تاج العارفین کے مکاتیب بھی موجود ہیں۔ جو انھوں نے حضرت شاہ عبدالحق پھلواروی ثم مرشد آبادی کو لکھے تھے۔ حضرت تاج العارفین اپنے مکتوب میں مضمون سے قبل بطور سرخی یہ نام پاک لکھا کرتے تھے۔ "حق حق حق"۔

حضرت تاج العارفین نے ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۱۹۱ھ بروز سنیچر نصف النہار کے وقت وصال فرمایا۔ وصال سے قبل آپ نے اپنے عزیز پوتے حضرت شاہ نورالحق کو سورۂ یٰسٓ شریف کی تلاوت کا حکم دیا بعدہٗ سورۂ ق کی تلاوت کے لیے کہا۔

دوران تلاوت تاج العارفین پر وجد کی

---

[1] حضرت شاہ بدرالدین پھلواروی کی اہلیہ حضرت شاہ علی حبیب نصر پھلواروی نبیرہ و سجادہ حضرت تاج العارفین کی صاحبزادی تھیں۔

کیفیت طاری رہی۔ یہاں تک کہ حضرت نور الحق اس آیت پر پہنچے "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" تو حضرت تاج العارفین نے عین حالت وجد میں وصال فرمایا اور چونکہ پائے مبارک نشست کی وضع میں تھے لہٰذا اسی حال میں سخت ہو گئے۔ غسل و تکفین کے بعد جب قبر میں نعش مبارک اتاری گئی تو بقول صاحب بحر ذخار حضرت کے فرزندوں میں سے کسی نے اور بقول صاحب تذکرۃ الکرام آپ کے خلفاء میں حضرت شاہ محمد کریم نے عرض کیا کہ "یا ہادی ایں مقام ریاضت نیست بلکہ استراحت است۔ پائے مبارک شما کشیدہ اید، دراز فرمائید" چنانچہ فوراً پائے مبارک دراز کر لیے گئے۔ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز۔

حضرت تاج العارفین کا مزار پرانوار حضرت شاہ نعمت اللہ کے خریدے ہوئے باغ میں بلند و بالا گنبد کے نیچے واقع ہے اور یہ باغ "باغ محبیبی" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

آج جب کہ حاضری مقابر بزرگان سے لے کر احترام مقام بزرگان و بوسہ مزارات اولیائے عظام کے جواز کا مسئلہ در پیش ہے تاج العارفین کا ایک مکاشفہ ملاحظہ ہو۔ ایک روز حالت خواب میں تاج العارفین کو بارگاہ سید کل عالم علم اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ہوئی۔

"ہر کہ قبر ترا بروز جمعہ بعد نماز جمعہ بوسہ دہد مغفور است۔"

بعد چند بار امر شد کہ در ہر شب اول ہمیں خاصیت بخشیدم۔

یہیں پر انتہا نہیں ہوئی بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید لطف و کرم فرمایا یعنی۔

"بعد چندے حکم شد کہ در ہر ایام و ماہ ہر کہ بر قبر بوسہ دہد مغفور است۔"

آج بھی تاج العارفین کا مزار پاک مرجع خلائق ہے۔ آپ کے مزار کی حاضری، قبر کا بوسہ، مزار پاک پر کا پھول اور چادر دوسالوں سے دافع بلا و مصائب شفاء امراض، وحل مشکلات کا ذریعہ ہے۔ نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ و رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔



حضرت کفایت علی کافی مرادآبادی

ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی (الٰہ آباد)

نام سید کفایت علی، تخلص کافی، مقام نگینہ ضلع بجنور کے خانوادۂ سادات سے تھے، علمائے بدایوں و بریلی سے اکتساب علم کیا حدیث شاہ ابوسعید مجددی رام پوری سے پڑھی اور طب کی تعلیم مولف تذکرۂ علمائے ہند کے والد حکیم شیر علی قادری سے حاصل کی۔ (تذکرۂ علمائے اہلسنت ص ۲۱۹ مطبوعہ بھوانی پور سنہ ۱۳۹۱ھ)

تحصیل علوم و فنون کے بعد بے شمار علمائے کرام کے ساتھ آپ بھی تحریک جنگ آزادی میں شریک ہوئے اور ہمت و استقلال اور جواں مردی کا بے لوث مظاہرہ کیا علامہ فضل حق خیرآبادی کی طرح جہاد کی نشر و اشاعت میں آپ کا بھی خصوصی ہاتھ رہا اور سنہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد صادر فرماکر عام کیا۔ ایک سرگرم عمل رکن کی حیثیت سے روہیل کھنڈ کے اضلاع میں تبلیغی دورے کرنے کے بعد آپ جنرل بخت خاں کی فوج کے ہمراہ مرادآباد پہنچے اور یہاں بھی گوروں کے خلاف اپنی سرگرمیاں کو جاری رکھا چنانچہ مرادآباد پر قبضہ ہونے کے بعد آپ ہی امیر شریعت بنائے گئے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد حالات نے پلٹا کھایا ۲۵ر اپریل سنہ ۱۸۵۸ء میں مجاہدوں کو شکست ہوئی گرفتاریاں ہوئیں خانہ تلاشی ہوئی انھیں خانہ تلاشی کے دوران فخرالدین کلال کی مخبری پر حضرت کافی بھی گرفتار ہوئے مقدمہ قائم ہوا اور پھانسی کی سزا تجویز کی گئی۔ پھانسی کی اطلاع پاکر بہت مسرور ہوئے چہرے سے کسی ملال و خوف کا اظہار نہ ہوا اور آنکھوں کے مجاہدانہ تیور میں کوئی کمی نہ آئی۔ چنانچہ ۲۷ر رمضان المبارک کی مقدس تاریخ تھی جمعرات کا دن تھا اور عصر کا وقت، مرادآباد کے ایک چوراہے پر جب روزے کی حالت میں تختۂ دار پر لایا گیا تو آپ باواز بلند بڑے اطمینان سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیۂ عقیدت پیش کر رہے تھے جس کا مطلع ہے ؎

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا

جناب حمید راہی ایم۔اے اپنے مضمون "۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور علمائے حق" میں لکھتے ہیں "شہادت کے تقریباً ۳۵ سال بعد مولانا کی قبر جو کہ جیل کے قریب واقع تھی سڑک پر آگئی تھی جس سے قبر مبارک کھل گئی اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جسم ویسا ہی رکھا تھا۔ پھر جسم مبارک کو دوسری جگہ عقب جیل میں دفن کر دیا گیا۔ (ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ فروری سنہ ۱۹۸۲ء)

مولانا سید کفایت علی کافی کا شمار مرادآباد کے برگزیدہ علماء و شعراء میں ہوتا ہے شاعری میں مہدی علی خاں ذکی مرادآبادی تلمیذ ناسخ کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ نعت گوئی کے فروغ و ارتقاء میں آپ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں بڑے ہی اعلیٰ و ارفع مقام

کے مالک ہیں حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے آپ کے نعتیہ فکر وفن اور انداز بیاں کو بے حد سراہا ہے اس سے زیادہ مستند ثبوت اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے حضرت کافی کے والہانہ جذبات، بے ساختہ اظہار اور دل کی گہرائیوں سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں۔

پرواز میں جب مدحت شہ میں آؤں
تا عرش پرواز فکر رسا میں جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضا
کافی کا درد دل کہاں سے لاؤں

ایک دوسری رباعی میں فاضل بریلوی نے حضرت کافی کی شعری عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ''سلطان نعت گویاں'' تک سے تعبیر فرمایا ہے لکھتے ہیں

مہکا ہے مرے بوئے دہن سے عالم
یاں نغمۂ شیریں نہیں تلخی سے بہم
کافی سلطان نعت گویاں ہے رضا
انشاء اللہ میں وزیر اعظم

الملفوظ حصہ دوم'' میں حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں'' مولانا کافی اور حسن میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے'' کہا گیا ہے کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے سے زیادہ مشکل کام ہے بڑے بڑے ٹھوکر کھا جاتے ہیں اسی لیے فاضل بریلوی نے اس اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ پاس رعایت، احتیاط و پابندی، اور قیود و شرائط کی روشنی میں حضرت کافی اور حضرت حسن کی شاعری بھی عیوب و اغلاط سے پاک ہے اور عشق رسالت کی سچی ترجمانی کرتی ہے۔

حضرت کافی صاحب علم و فضل اور زہد و ورع تھے ایک سچے دیوانۂ رسول تھے حمد و نعت کے سوا اور کچھ نہ کہا ساری شاعری جذبات حقیقی اور حقیقت پرست کی ترجمان ہے۔ نعتیہ غزل کے ابتدائی مبلغوں میں آپ کا نام انتہائی اہمیت کا حامل ہے اصحاب علم وادب بڑی عقیدت سے آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں۔ مولد شریف بہاریہ (مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۲۷۳ھ) حضرت کافی کا شعری سرمایہ ہے جس کے ساتھ مثنوی داستان صادقاں، مثنوی قصۂ بست اصحاب، مثنوی جذبۂ عشق، وفات نامہ، اور مثنوی تجمل و دیار نبی کریم جیسے عناوین کے تحت بھی کلام شامل ہے حضرت کافی کو مثنوی گوئی پر ملکہ حاصل تھا عشق و محبت اور جذبات روحانی میں ڈوبی ہوئی ان کی بعض مثنویوں نے اردو شاعری کی آبرو میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ آپ کے کلیات میں اگرچہ مثنویوں کی تعداد زیادہ ہے تاہم مولد شریف بہاریہ میں شمول چند غزلوں کی فکری وفنی بلندیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس طور پر بھی کہ اردو نعتیہ غزلوں کے ابتدائی دور کے یہی وہ انفرادی فن پارے ہیں جن کی بنیاد پر صنف نعت کی پیشانی پر چمک دمک پیدا ہوئی۔ غزلوں کا انداز بیان نہایت سلیس، شستہ اور لطیف و پختہ ہے معانی و مفاہیم کے اعتبار سے بھی جامعیت کی پیکر نظر آتی ہیں شعر گوئی میں مہارت رکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام

اوس رخ پاک کا جس بزم میں چرچا ہوگا
در و دیوار سے واں نور برستا ہوگا
کیوں نہ ہو غیرت برگ شجر طور زباں
جب مرے منھ میں ترا وصف سراپا ہوگا
حبذا صاف جبیں صلِّ علیٰ پیشانی
شعلۂ طور خجل دیکھ یہ ماتھا ہوگا
اوس قد پاک کے سائے کا بندھا ہے جو خیال
اختر بخت عدم میں بھی یہ چمکا ہوگا
ماہ تو عید شفاعت کا چمک جاوے گا
جس طرف حشر میں ابرو کا اشارا ہوگا
شان محبوبی سے جب آپ نکل آئیں گے
رو کش صحن چمن حشر کا عرصہ ہوگا
جائیں گے سوئے چمن کنج قفس سے چھٹ کر
اپنی قسمت میں کوئی اور بھی ایسا ہوگا
ہم صفیر و مرا احوال بھی کہلا بھیجو
کوئی زوار مدینے کو بھی جاتا ہوگا
ہے مدینے کی زیارت کا جو کافی مشتاق
یہ ارادہ مرا یارب کبھی پورا ہوگا

عرش بریں ایوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خلد سرا بستان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کفیل کرامت آپ شفیع روز قیامت
ہیں بے حد احسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

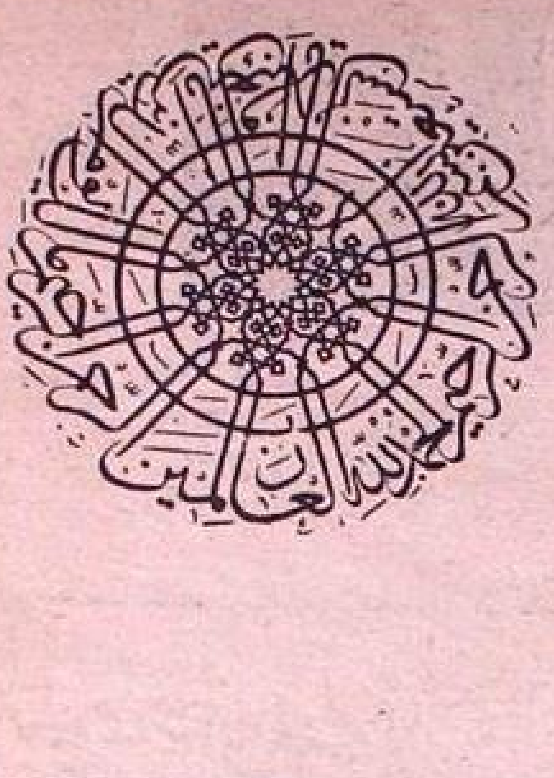
ہیں وہ شفیعِ روزِ محشر، ہیں وہ قسیمِ حوضِ کوثر
سب کچھ ہے شایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
باعثِ حسنِ چمن و گلشن ہے موجبِ نورِ شمس و قمر ہے
مہرِ رخِ تابانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آدم اور سلیماں، قدسی اور فلکِ چوتھے پر عیسیٰ
ہیں مہمانِ خوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ رحمت، مصدرِ رافت، مخزنِ شفقت یعنی عنایت
ذاتِ محمد، جانِ محمد، صلی اللہ علیہ وسلم
جان مری کیا جانِ جہاں کی اور بہاریں باغِ جناں کی
کیجیے سب قربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بہرِ شفائے دردِ مصیبت اور برائے رنج و فلاکت
کافی ہے درمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے ناخن پر فدا جاں کیجیے
اور ماہِ عید قرباں کیجیے
جان کیا ہے اور ماہِ عید کیا
یاں فدا ملکِ سلیماں کیجیے
ان کے ناخن کا تراشا گر ملے
جیبِ جاں میں اس کو پنہاں کیجیے
اور روزِ حشر ہو جب آشکار
پیش اس کو پیشِ یزداں کیجیے
صحنِ محشر عیدگاہِ مغفرت
از برائے اہلِ عصیاں کیجیے
صاحبِ لولاک کی امت ہیں ہم
آج ہم پر بذلِ غفراں کیجیے
تجھ کو لکھنا ہے سراپائے نبی
کافیؔ مداح ساماں کیجیے

واہ کیا جلوۂ زنداں ہے سبحان اللہ
کیا تبسم کا یہ ساماں ہے سبحان اللہ
محوِ دیدار فرشتوں کو کیا گردوں پر
کیا ہی محبوب کی یہ شان ہے سبحان اللہ
ہے وہ سیمائے مبارک کی تجلی جس سے
رونقِ روضۂ رضوان ہے سبحان اللہ
حسن وہ حسن کہ جس حسن کا عاشق ہے خدا
وصف اس حسن کا قرآن ہے سبحان اللہ
نورِ ذاتِ نبوی صل علیٰ اے کافی
آیتِ رحمتِ رحمٰن ہے سبحان اللہ

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہمصفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تنِ بیجان پر خاکی کفن رہ جائے گا
ہم فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعتِ حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا





(صفحہ ۳۹ کا بقیہ)

سحابِ علم و فضل بن کر نور و عرفان کی بارشیں برسا رہے ہیں۔

یہی وہ جامعہ ہے جو اقوامِ عالم کی قیادت و رہنمائی اور اصلاح و تربیت کے لئے اپنے چشمۂ شیریں سے سیراب ہونے والے نونہالانِ اسلام اور اپنی آغوش تربیت میں پرورش پانے والے باکمال فرزندانِ توحید کو اسلامی علوم و آداب اور تہذیب و تمدن کا حقیقی وارث و امین بناتا ہے۔

لہٰذا اس قصرِ اسلام کی طرف ہماری پوری توجہ ہونی چاہیے ہر موقع و محاذ پر اس کی ہر طرح سے حفاظت و صیانت کرنی چاہیے۔

خصوصیت کے ساتھ اس عید قرباں کے موقع پر اسے نہ بھولنا چاہیے قریبی معاونین کھال سے تعاون کریں اور بیرونی حضرات کھال کی قیمت ارسال کریں۔

جہیز کی لعنت اور سوال کی مذمت

عبد المبین نعمانی مصباحی

اس میں شبہ نہیں ہے کہ جہیز کی موجودہ شکل ایک تباہ کن رسم ہو کر رہ گئی ہے ـــــ لڑکی کو ماں باپ اپنی محبت و شفقت میں رخصت ہوتے وقت جو کچھ دیتے ہیں وہ ایک امر مستحسن اور انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ مگر ہنود کی دیکھا دیکھی اب مسلمانوں میں بھی یہ رسم بد جبری مطالبہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ جہیز کے مطالبوں کو پورا کرنے کے لئے آج کتنے گھر تباہ ہو چکے ہیں، اور لڑکی کی پیدائش جو بلا شبہ اسلام و پیغمبر اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں خوش بختی کی علامت ہے ہم نے اپنے ہاتھوں اسے بدبختی میں بدل دیا ہے۔ حیرت تو اس پر ہے کہ لڑکی اگر اپنے والدین سے کچھ مطالبہ کرے تو کر سکتی ہے کہ ماں باپ سے فرمائش اس کا پیدائشی حق ہے، اگرچہ اسے بھی مطالبہ کرتے وقت اپنے والدین کی بساط و وسعت کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ مگر یہ ہونے والے داماد یا ان کے گھر والوں کو کہاں سے حق پہنچتا ہے کہ لڑکی یا اس کے والدین سے کسی قسم کا سوال کریں؟ یہ تو یقیناً ایک طرح کی "مہذب بھیک" ہے، جسے رسم و رواج کے نام پر قبول کیا جا رہا ہے ـــــ اسلام دو ہی صورت میں مانگنے کی اجازت دیتا ہے یا تو سائل کا کوئی حق دوسرے سے متعلق ہو، یا پھر وہ سائل اتنا تنگدست ہو کہ اس کی گزر بسر مشکل ہو، اور سوال کئے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہ ہو تو اس کو سوال کرنا جائز ہے۔ وہ بھی بقدرِ حاجت، حاجت و ضرورت سے زیادہ تو اسے بھی مانگنا جائز نہیں۔ ظاہر ہے ہونے والے داماد کا ہونے والی بیوی یا ساس سسر پر کوئی واجبی حق تو ہوتا نہیں جس کا مطالبہ اس کے لئے جائز ہو۔ لہٰذا اب دوسری صورت تنگدستی والی رہ جاتی ہے، جبکہ سماج میں اس کی بھی گنجائش نہیں کہ کوئی تنگدست داماد اپنی تنگدستی کا اظہار کر کے سسرال والوں سے کچھ مانگے حالانکہ واقعی تنگدست ہو تو بقدر ضرورت مانگ سکتا ہے ـــــ اور جب دونوں صورت نہیں، تو یقیناً یہ مطالبہ سوال ممنوع کی قبیل سے ہے۔ یعنی بلا ضرورت مانگنا۔ شریعت جس کی سخت مذمت کرتی، بلکہ حرام گردانتی ہے ـــــ اس سلسلے میں چند حدیثیں سنئے۔ دیکھئے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ایسے سائلوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

حدیث:۔ (۱) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، آدمی سوال کرتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔ یعنی نہایت بے آبرو ہو کر۔ (بخاری و مسلم)

حدیث (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سوال ایک قسم کی خراش ہے کہ آدمی سوال کر کے اپنے منھ کو نوچتا ہے، جو چاہے اپنے منھ پر اس خراش

کو باقی رکھے، اور جو چاہے چھوڑ دے۔ ہاں! آدمی اگر صاحب وسعت سے اپنا حق مانگے یا ایسے امر میں سوال کرے کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو (تو جائز ہے) یہ روایت متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے (الفاظ کے ذرا اختلاف کے ساتھ) ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، مسند امام احمد اور طبرانی میں ہے۔

حدیث (۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس پر نہ فاقہ گزرا، اور نہ اتنے بال بچے ہیں جن کی طاقت نہیں، اور سوال کا دروازہ کھولے، اللہ تعالیٰ اس پر فاقہ کا دروازہ کھول دے گا ایسی جگہ سے جو اس کے خیال میں بھی نہیں۔ (بیہقی)

حدیث (۴) عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ آسودہ حال کا سوال کرنا قیامت کے دن اس کے چہرے میں عیب ہوگا۔ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ غنی کا سوال آگ ہے تھوڑا دیا گیا، تو تھوڑی، زیادہ دیا گیا تو زیادہ (امام احمد، بزار، طبرانی)

حدیث (۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو مال بڑھانے کے لئے سوال کرتا ہے وہ انگارے کا سوال کرتا ہے۔ تو چاہے زیادہ مانگے یا کم۔ (ابن ماجہ) یہ جہیز مانگنے والوں کے لئے خاص نص ہے کہ بالعموم اسی نیت بد سے جہیز کا سوال ہوتا ہے۔

حدیث (۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا، اور حق معاف کرنے سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندہ کی عزت بڑھائے گا، اور کوئی سوال کا دروازہ نہ کھولے گا، مگر اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کا دروازہ کھولے گا۔
(امام احمد، ابو یعلیٰ، بزار، طبرانی صغیر)

حدیث (۷) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے، صدقہ اور سوال سے بچنے کا ذکر فرما رہے تھے (اسی دوران) فرمایا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے، اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔ (امام مالک، بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی)

حدیث (۸) حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، کہتے ہیں مجھ پر ایک مرتبہ تاوان لازم آیا، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا ــــ فرمایا، ٹھہرو! ہمارے پاس صدقہ کا مال آئے گا تو تمہارے لئے حکم فرمائیں گے، پھر فرمایا ــــ اے قبیصہ! سوال حلال نہیں مگر تین باتوں میں، کسی نے ضمانت کی ہو تو اسے سوال حلال ہے، یہاں تک کہ وہ مقدار بھر پائے، پھر باز رہے۔ یا کسی شخص پر آفت آئی کہ اس کے مال کو تباہ کر دیا تو اسے سوال حلال ہے یہاں تک کہ بسر اوقات کے لئے پا جائے۔ یا کسی کو فاقہ پہنچا اور اس کی قوم کے تین عقلمند شخص گواہی دیں کہ فلاں کو فاقہ پہنچا ہے۔ تو اسے سوال حلال ہے۔ یہاں تک کہ بسر اوقات کے لئے حاصل کرلے۔ اور ان باتوں کے سوا اے قبیصہ سوال کرنا حرام ہے کہ سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔ (مسلم، ابو داؤد، نسائی) ــــ فاقہ کرنے والے کے لئے تین شخصوں کی گواہی جمہور کے نزدیک بطور استحباب ہے۔ اور یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کا مالدار ہونا معلوم و مشہور ہو، اور جس کا مالدار ہونا معلوم نہ ہو تو فقط اس کا کہہ دینا کافی ہے۔ (بہار شریعت حصہ پنجم ص ۲، تا ۵، ملخص)

صاحب ایمان اور ہوش و گوش رکھنے والے کے لئے یہی چند ارشادات طیبہ کافی ہیں۔ جن سے بغیر ضرورت سوال کرنے کی ذلت و مذمت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور بلاشبہ داماد کا جہیز مانگنا بلا ضرورت محض زر اندوزی، تفاخر، دکھاوا یا حصول آسائش و غنا کے لئے ہوتا ہے۔ نہ اسے ایسی ضرورت ہوتی ہے کہ مانگنا حلال ہو، نہ اس کا کوئی شرعی حق متعلق رہتا ہے جسے وصول کرنے کو سوال جائز لہٰذا ایسے سوال کے ممنوع اور اس پر اصرار کے حرام ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں ــــ اور وہ ساری احادیث جو سوال کرنے والے کے لئے وارد ہیں، جہیز کا

کامطالبہ کرنے والوں پر بھی ضرور صادق۔

مذکورہ بالا احادیث میں ایک جگہ صاف موجود ہے کہ دینے والا بالادست اور بہتر ہے۔ اور لینے والا زیردست کمتر، اور قرآن پاک میں رب تبارک وتعالیٰ نے مردوں کو بالادستی اور حاکمیت عطا فرمائی ہے ارشاد ہے ـــ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ (مرد حاکم ہیں عورتوں پر) ـــ مگر افسوس! کہ آج مرد حاکم ہوکر اپنے مقام ومنصب کے خلاف عورت کے سامنے سائل اور ذلیل ہوتا ہے مال کے اعتبار سے عورت کا مرد پر حق ہے، اور مرد کا عورت پر کسی طرح کا مالی مطالبہ شریعت میں ہرگز جائز نہیں، یہ سراسر رسم بد اور ہنود کی تقلید ہے۔

کچھ لوگ کھل کر مانگتے تو نہیں، مگر نسبت طے کرنے میں اس کا بخوبی لحاظ کرتے ہیں کہ ایسی جگہ نسبت ہو کہ جہاں جہیز زیادہ ملنے کی امید ہو۔ چنانچہ کبھی امید کے برخلاف کم جہیز ملتا ہے تو سخت ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس طرح کی لالچ بھی شریعت میں سخت مذموم ہے ـــ جس کو حدیث شریف میں اشرافِ نفس کہا گیا ہے۔ حدیث: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، فرماتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے عطا فرماتے، میں عرض کرتا ایسے کو دے دیجئے جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہے۔ ارشاد فرمایا ـــ اسے لو، اور اپنا کر کے خیرات کردو، جو مال تمہارے پاس بے طمع (لالچ) اور بے مانگے آجائے اسے لے لو، اور جو نہ آئے تو اس کے پیچھے اپنے نفس کو نہ ڈالو۔ (بخاری، مسلم)

اب تک کی ساری گفتگو تو جہیز مانگنے یا اس کی لالچ کرنے سے متعلق تھی، جس کی مذمت وبرائی بدرجۂ اتم بیان کی جاچکی۔ مگر اس بلائے بے درماں کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے، تو اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بسا اوقات لڑکا مطالبہ تو نہیں کرتا لیکن لڑکی کا باپ محض واہ واہی اور نام ونمود کے لئے وسعت سے زیادہ اس قدر جہیز دیتا ہے جو دوسروں کے لئے نمونہ اور ترغیب کا باعث ہوتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر پاس پڑوس کے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوکر اس سے بڑھ کر دینے اور بعض لینے کے خواہش مند ہوجاتے ہیں۔ اور غور کیا جائے تو یہی مفاسد کی بنیاد ہے، جس پر مناسب بندش ضروری ہے۔

ہر آدمی اعتدال اور بساط بھر کے مطابق بے مانگے اپنی خوشی سے لڑکی یا لڑکے کو کچھ دے دیا کرے اس کا اثر اتنا غلط نہ ہوگا ـــ اور اگر معاشرے کے سربرآوردہ حضرات مل کر بیٹھ کر کچھ ہلکا پھلکا سامان متعین کردیں کہ ہر امیر وغریب یکساں طور پر بآسانی دے سکے تو یہ سب سے بہتر ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں میں بعض مقامات پر اس کا رواج بھی ہے ـــ مگر افسوس ک
اس مادہ پرست دور میں دین ومذہب، حسن کردار وعمل کو بالائے طاق رکھ کر محض سیم وزر اور مال ودولت پر دھیان دیا جانے لگا ہے۔ جس کا وبال وعذاب آخرت میں جو ہوگا وہ تو ہوگا ہی خود دنیا میں بھی اس کے مفاسد ومضرات حد وشمار سے باہر ہیں۔ اس کے دنیاوی مضرات کا اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ جن ہنود کی تقلید میں اس رسم بد کے ہم عادی ہوچکے ہیں، ہم سے زیادہ وہ آج جہیز اور تلک کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں۔

وہ سربرآوردہ حضرات جو سماج میں اپنی بات منوانے کی پوزیشن رکھتے ہیں وہ خاص طور سے توجہ دیں، تو اس رسم بد کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اور خاص طور سے علمائے کرام اور ائمہ مساجد سے گزارش ہے کہ وہ بھی اس کے خلاف آواز اٹھائیں، اور اس کی ہلاکت خیزیوں سے قوم کو بار بار آگاہ کریں۔ اور خود بھی اپنی شادیاں اس سادے انداز سے کریں کہ قوم کے لئے باعث نمونہ ہو۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ



سمتوں میں بٹتے لوگ

محمد قمر الحسن قمر بستوی مصباحی

سواد اعظم اہلسنت وجماعت
کی آفاقیت پوری دنیا میں ہر جگہ بکھری ہوئی
ہے۔ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب
تک جہاں کہیں جائیے **اہلسنت و جماعت**
ہی کا پرچم آپ کو نظر آئے گا۔ یہ اس کی
حقانیت کی بین دلیل ہے۔ اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ
بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ میں اسی
جماعت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ جماعت
قرن اول سے تا ایں دم باقی ہے اور تا قیام
قیامت باقی رہے گی۔ حنفی، شافعی، مالکی،
اور حنبلی یہ اسی جماعت کے مظاہر اربعہ ہیں۔
یہ جماعت مختلف ادوار میں اپنے عقائد
حقہ کے ساتھ علماء وعرفاء کے درمیان
مختلف ناموں سے جانی جاتی رہی۔ علماء نے
اس کو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کے ناموں
سے تعبیر کیا۔ پھر صوفیاء اور عرفاء کے درمیان
یہی جماعت قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی
وغیرہ سلاسل کے اعتبار سے جانی
پہچانی گئی۔ پھر ان سلاسل کے بہت سارے
فروع ہوئے رفائی، مجددی،
اشرفی، رضوی وغیرہ مگر جماعت ایک ہی رہی
اور اس کی پیشانی پر اہل سنت وجماعت ہی کا
تمغۂ نورانی لگا رہا ہے۔

زمانۂ رسالت سے بُعد کے باعث اس
جماعت کی حریف جماعتیں جنم لیتی رہیں۔
شیعہ، معتزلہ قدریہ، جہمیہ، جبریہ، مجسمہ وغیرہ۔
پھر بعد جس قدر بڑھتا گیا اسی مقدار میں حریف
جماعتوں کی شجرکاری بھی بڑھتی گئی۔ وہابی، تبلیغی،
دیوبندی، ندوی اخوان المسلمین وغیرہ پھر ان
کے فروع وجود میں آئے نیچری چکڑالوی،
مودودی وغیرہ۔ مگر جماعت اہلسنت اس کے
باوجود سواد اعظم کہلاتی رہی اور حقانیت
کا پرچم بلند کرتی رہی۔ آج بھی بلاد عربیہ
اور بلاد اسلامیہ کے بیشتر بلکہ ۹۰ فی صد
افراد اسی جماعت سے متعلق ہیں اور ان کو
لفظ "سنی" ہی سے یاد کیا جاتا ہے۔ مگر
وہابیت کا یہ ایک غلط پروپیگنڈہ ہے کہ مسلک
اہل سنت وجماعت سمٹتا جا رہا ہے اور وہابی
ازم فروغ پا رہا ہے۔ بعض خلیجی ممالک کو چھوڑ
کر بقیہ سارے عرب عراق سے مراکش (مغرب)
تک، جتنے بھی چھوٹے بڑے عربی ممالک ہیں
سب اسی مسلک حق اہل سنت سے متعلق ہیں۔
اور ان کے معتقدات وہی ہیں جو قرن اول سے
ہمارے اسلاف کے مابین دائر وسائر
رہے ہیں۔

قرن اول سے اس جماعت کے خلاف
حریف جماعتیں نبرد آزما رہی ہیں۔ کہ اس کے
روشن اور حق سے مملو عقائد کو کسی بھی
صورت شیدائیوں کے ذہن سے کھرچ کر
نکال دیا جائے مگر وہ ہمیشہ منہ کی کھاتی
رہی ہیں۔ تاریخ کا جائزہ لینے سے پتہ
چلتا ہے کہ بنام مسلم متحارب گمراہ جماعتوں
نے ہر اس نظریہ کی حمایت حاصل کی جس
سے اس جماعت کے پاکیزہ نظریات
پر ضرب پڑ سکے۔ چنانچہ قرن اول میں
سبائیوں نے یہودیت سے اشتراک کیا اور
اس جماعت کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش

کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر خلفائے بنو عباسیہ کے ادوار میں حسن بن صباح کے باطل نظریات کی اشاعت شروع ہوئی۔ اس نے فدائیوں کے روپ میں عیسائیت سے اشتراک کیا[1] کہ مسلک حق اہل سنّت وجماعت کو اکھاڑ پھینکا جائے۔ لیکن ناکامیوں کا شکار ہوا۔ جب شاہ سعود کا دور آیا تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی سیاسی پینگ عیسائیوں کی طرف بڑھی اور عیسائیت کے اشتراک سے امن عالم کو غارت کیا جانے لگا[2]۔ یہ طوفان اتنا شدید تھا کہ اس کی زد پر بڑے بڑے ہمالیہ آئے تو خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ مگر اس کس مپرسی اور نفسی نفسی کے عالم میں بھی یہ مسلک نہ صرف وہابی ازم سے متصادم ہوا بلکہ سخت جانی کا ثبوت دیتے ہوئے اسی تیزی سے پھیلنے لگا یہاں تک کہ اس کی رفتار کئی گنا بڑھ گئی۔ اگرچہ عثمانی سلطنت کے پرخچے اڑتے رہے مگر ایمانیت سے لبریز مسلکِ حق دن بہ دن ترقی کرتا رہا۔ وہابیت کی جڑیں بعض بلاد نجد و حجاز میں مضبوط ہوتی رہیں مگر مسلک اہل سنّت وجماعت براعظم افریقہ و امریکہ کو اپنے دامن میں سمیٹتا رہا۔ اور اپنی حقانیت کے پرچم ہر جگہ بلند کرتا رہا۔

ملۃ الکفر واحدۃ کے فرمان کی تصدیق دیکھنی ہو تو مشاہدہ کر لیجیے۔ اگرچہ تمام باطل فرقے آپس میں اندرونی طور پر دست بہ گریباں ہوں لیکن جب اہلسنّت جماعت کے خلاف منظم ہونے کی بات آتی ہے۔ بارہا یہ مشاہدہ ہوا کہ وہابی ازم ندویت یا چکڑالویت سے بردآزما تھا مگر جب مسلک حق اہل سنّت وجماعت کے مقابل آنا ہوا تو آپسی نزع کالعدم کر کے سب کے سب اس کے خلاف کمربستہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ کتنے ایسے مقامات آئے جہاں اسلامی نام کی روٹی کھانے والے افراد اس حق و سچ مسلک کے مقابل ہندویت سے بھی اتحاد کرنے سے گریز نہ کر سکے اور اس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ کیونکہ کفر و گمراہی کی قدر مشترک ہر باطل جماعت کو ایک سطح پر منظم کرنے میں کلیدی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہی کچھ باہر کی دنیا میں غیر سنّی فرقہائے باطلہ کے درمیان بھی ہوتا ہے کہ وہ یہودیت یا سبائیت سے ساز باز کر کے اہلسنّت کے خلاف محاذ آرائی کر لیتے ہیں۔ اس طرح کارگہ حیات میں ستفترق امتی فی ثلث وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ۔ (میری امت عنقریب تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سب کے سب جہنمی ہوں گے مگر ایک جنتی ہوگا) کے تناظر میں یہ مسئلہ کتنا واضح ہو جاتا ہے کہ اہل سنّت وجماعت ہی وہ حق مسلک ہے جس کے جنتی ہونے کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہے۔ کیونکہ بہتر کا اتفاق اور ان کی ذہنی وحدت و فکری پرداخت اسی امر کی طرف مشیر ہے۔

ہندوستان ازمنۂ ماضیہ سے اسلام کا گہوارہ رہا ہے حتیٰ کہ عہد فاروقی میں ہی اسلام کی دل گیر، جاذب اور نظروں کو خیرہ کرنے والی روشنیاں در آ چکی تھیں۔ بلکہ بعض قرائن سے یہ بات یہاں تک واضح ہو جاتی ہے کہ عہد رسالت ہی میں اسلام کے اثرات سے ہند کا خطہ جنوب مشرف ہو چکا تھا۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی روایتیں بغیر کسی تغیر و تبدل کے ایک طویل عرصہ پر محیط تھیں۔ وہ سارے امور جو سلفاً و خلفاً ایک اسلامی امانہ کی حیثیت سے نسل در نسل منتقل ہوتے رہے تھے ہر مسلمان اس کو گلے سے لگائے ہوئے تھا۔ اس میں کسی طرح کا تغیر نہ کیا تھا اور نہ ہی اس کو پسند کرتا تھا کہ اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اسلامی سرمایہ ہندوستان میں امتیازی خصوصیات کا حامل تھا۔ حتیٰ کہ آج بھی ہند کی قدیم لائبریریاں اُن بے پناہ قیمتی سرمایہ اسلامی سے بھری پڑی ہیں۔ پھر حجاز اقدس کی سرزمین پر وہابی ازم کا تسلط ہوا۔ چونکہ ہندوستان کو عرب سے قدیم تعلق تھا اس لیے وہابی تحریک کا اثر ہندوستان پر بہت گہرا ہوا اور ہندوستان کے پرسکون اسلامی ماحول میں اختلاف و انتشار کا سب سے پہلا پتھر جو پھینکا گیا وہ اسمٰعیل دہلوی کی کتاب **تقویۃ الایمان** کا تھا۔ یہ اتنے اچانک اور بھیانک طور پر کیا گیا کہ یہاں کا پرسکون

---

[1] اگرچہ اس میں بعض جماعتیں سیاسی چپقلش کی پیداوار ہیں مگر ان کے بالالتزام جملے معتقدات ہی پر ہوتے رہے اس کے لیے تاریخ کا مطالعہ کریں۔ ۱۲ قمر غفرلہ

[2] ہمفرے کے اعترافات اور تاریخ نجد و حجاز از مفتی عبدالقیوم کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۲ قمر غفرلہ

اسلامی ماحول مرتعش ہو گیا۔ پھر اہل سنت وجماعت کے خلاف کی خانہ جنگی کی لہر چلی جو دیکھتے دیکھتے برصغیر میں پھیل گئی۔ گمراہی کے نئے ابواب قائم کیے گئے۔ اسلاف کی مروّج روایتوں کو شرک وبدعت کہہ کر ترک کر دیا گیا۔ اس طرح جماعت اہلسنّت ایک عجیب کش مکش کے ماحول سے گزر رہی تھی۔ سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی۔ ومجاہد حریت علامہ فضل حق خیرآبادی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے معاصر علمائے حق نے اپنے اپنے دور میں وہابیت کا تعاقب کیا اور غلط نظریات کے تاثرات کو زائل کرنے اور اسلام کی سچی قدروں سے آشنا کرانے کا کامل فریضہ انجام دیا۔ علیہم الرحمۃ والرضوان۔

چونکہ اس مکروہ چہرے سے خاص کر انھیں بزرگوں نے نقاب ہٹائی تھی جس میں امام اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا نے جذبۂ دینی اور خلوص سے اسلام کے گلشن شگفتہ کو تاراجی سے محفوظ رکھنے کے لیے خصوصاً اہم کردار ادا کیا۔ لوگ ان کے طرز فکر و نظر کے بے حد مداح ہو گئے اور ایک عالم سمٹ کر ان کے گرد اکٹھا ہو گیا۔ اس طرح سواد اعظم مسلک اہلسنّت وجماعت کی قیادت ایک عبقری کے ہاتھ میں آ گئی۔

آپ کی علمی وجاہت اور قد آور شخصیت کے آگے بڑے بڑے قد بونے نظر آتے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کے حاسدین اور معاندین کا ایک سلسلہ بھی شروع ہوا۔ مگر آپ نے ہمت نہ ہاری اور پوری ایک جماعت کا کام آپ کو تنہا کرنا پڑا جس کو آپ نے خندہ پیشانی سے قبول بھی فرمایا۔ چونکہ مسلک حق کی اشاعت اور اس کی تنقیح نیز بد باطنوں کی دسیسہ کاری کا پردہ آپ ہی نے چاک کیا۔ اس لیے آپ کی خدمات جلیلہ دیکھ کر لوگ آپ کے امتنان و تشکر کے لیے خود کو بریلوی کہنے لگے [1] یہاں تک کہ یہ لفظ برصغیر میں اہلسنّت وجماعت کا متبادل بن گیا۔ لیکن مسلک حق کی مخالف جماعتیں اس لفظ کو ایک غلط رخ دینے کے لیے پر تول رہی تھیں جن کو ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہاں تک کہ ان کے غلط پروپیگنڈے سے "بریلوی" ایک الگ جماعت کا تصور ہو گیا۔ اور اس کی غلط تشہیر کے لیے کتابیں لکھی گئیں [2] دیار عرب میں "البریلویۃ" نام کو گمراہی کا مترادف قرار دیا گیا۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ اگر لفظ "بریلوی" استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے ایک ایسا تصور ابھرتا ہے جو اپنی حقیقت کھو چکا ہوتا ہے۔ معاندین اور حاسدین اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی ناکام کوشش کرتے رہے اور جو افراد حق کے شیدائی اور سچے اسلام دوست تھے وہی نکو بن گئے۔ ظالم مظلوم ہو گیا اور مظلوم ظالم۔ تاریخ کا یہ خوفناک پہلو اپنی نوعیت کا ایک ایسا پہلو ہے جس کو سوچ کر کسی بھی سلیم الطبع شخص کا وجود لرز اٹھے۔

یہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ کسی بھی منظم پلان کے تحت تاریخ کے رخ کو موڑا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہابیوں، دیوبندیوں، ندویوں، سلفیوں، غیر مقلدوں تمام باطل عقائد رکھنے والوں نے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی انتھک کوشش کی۔ مشہور مقولہ ہے کہ "جھوٹ کو اتنی بار بولا جائے کہ سچ معلوم ہونے لگے" چنانچہ اس جھوٹ کو کہ "بریلوی ایک گمراہ فرقہ ہے" اتنی شدومد کے ساتھ نصف صدی سے مسلسل بولا جا رہا ہے کہ بہت سے سادہ لوح اذہان اس کو صحیح سمجھنے لگے۔ آج باہر کی دنیا میں جہاں بھی قدم رکھا جائے تو لفظ "بریلوی" استعمال کرنے پر ایک عجیب سا تاثر ابھرتا ہے۔ حالانکہ عشق وعرفان، توحید وتقدیس، عظمت رسالت ونبوت، توقیر صحابہ، عزت اسلاف کے حسین روایتی امتزاج کو جس والہانہ شیفتگی سے امام احمد رضا نے پیش کیا اور لوگوں کو اس کا درس دیا۔ دین کے بے پناہ جذبۂ محبت کا اسی بے دردی سے "بدعتی، مشرک" کہہ کر گلا گھونٹا گیا۔ یہ بھارتی وہابیت کی دسیسہ کاری ہے۔

امام احمد رضا کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے ملت فروشوں، مذہب کے بے ضمیروں کی سازش کا پردہ چاک کیا تھا۔ . . .

---

[1] نوٹ:- حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ امام احمد رضا کے اتباع کے بجائے معاند جماعتوں خصوصاً وہابیوں نے استعمال کیا اور غلط معنی و مراد میں اس کی تشہیر کی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۲ر قمر غفرلہ

[2] احسان الٰہی ظہیر کی "البریلویۃ" یا "المنجد" کے اعلام کی بحث میں اس کو ایک گمراہ، بدعتی اور سنت کے خلاف عمل کرنے والا فرقہ کے نام سے تعارف کرایا گیا۔ ۱۲ر قمر غفرلہ

کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ پھر خلفائے بنوعباسیہ کے ادوار میں حسن بن صباح کے باطل نظریات کی اشاعت شروع ہوئی۔ اس نے فدائیوں کے روپ میں عیسائیت سے اشتراک کیا تاکہ مسلک حق اہل سنت وجماعت کو اکھاڑ پھینکا جائے۔ لیکن ناکامیوں کا شکار ہوا۔ جب شاہ سعود کا دور آیا تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی سیاسی پینگ عیسائیوں کی طرف بڑھی اور عیسائیت کے اشتراک سے امن عالم کو غارت کیا جانے لگا۔ یہ طوفان اتنا شدید تھا کہ اس کی زد پر بڑے بڑے ہمالیہ آئے تو خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے۔ مگر اس کس مپرسی اور نفسی نفسی کے عالم میں بھی یہ مسلک نہ صرف وہابی ازم سے متصادم ہوا بلکہ سخت جانی کا ثبوت دیتے ہوئے اسی تیزی سے پھیلنے لگا یہاں تک کہ اس کی رفتار کئی گنا بڑھ گئی۔ اگرچہ عثمانی سلطنت کے پرچمے اڑتے رہے مگر ایمانیت سے لبریز مسلک حق دن بدن ترقی کرتا رہا۔ وہابیت کی جڑیں بعض بلاد نجد وحجاز میں مضبوط ہوتی رہیں مگر مسلک اہل سنت وجماعت براعظم افریقہ وامریکہ کو اپنے دامن میں سمیٹتا رہا۔ اور اپنی حقانیت کے پرچم ہر جگہ بلند کرتا رہا۔

ملۃ الکفر واحدۃ کے فرمان کی تصدیق دیکھنی ہو تو مشاہدہ کر لیجئے۔ اگرچہ تمام باطل فرقے آپس میں اندرونی طور پر دست بہ گریباں ہوں لیکن جب اہلسنت جماعت کے خلاف منظم ہونے کی بات آتی ہے۔ بارہا یہ مشاہدہ ہوا کہ وہابی ازم ندویت یا چکڑالویت سے برسرِ آزما تھا مگر جب مسلک حق اہل سنت وجماعت کے مقابل آنا ہوا تو آپسی نزاع کالعدم کر کے سب کے سب اس کے خلاف کمربستہ ہوگئے۔ حتیٰ کہ کتنے ایسے مقامات آئے جہاں اسلامی نام کی روٹی کھانے والے افراد اس حق وسچ مسلک کے مقابل ہندویت سے بھی اتحاد کرنے سے گریز نہ کر سکے اور اس کے خلاف صف آرا ہوگئے۔ کیونکہ کفر وگمراہی کی قدر مشترک ہر باطل جماعت کو ایک سطح پر منظم کرنے میں کلیدی اہمیت کا حامل ہوتی ہے۔ یہی کچھ باہر کی دنیا میں غیر سنی فرقہائے باطلہ کے درمیان بھی ہوتا ہے کہ وہ یہودیت یا سبائیت سے سازباز کر کے اہلسنت کے خلاف محاذ آرائی کر لیتے ہیں۔ اس طرح کارگہ حیات میں ستفترق امتی فی ثلث وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ۔ (میری امت عنقریب تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سب کے سب جہنمی ہوں گے مگر ایک جنتی ہوگا) کے تناظر میں یہ مسئلہ کتنا واضح ہو جاتا ہے کہ اہل سنت وجماعت ہی وہ حق مسلک ہے جس کے جنتی ہونے کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہے۔ کیونکہ بہتر کا اتفاق اور ان کی ذہنی وحدت وفکری پرداخت اسی امر کی طرف مشیر ہے۔

ہندوستان از منۂ ماضیہ سے اسلام کا گہوارہ رہا ہے حتیٰ کہ عہد فاروقی میں ہی اسلام کی دل گیر، جاذب اور نظروں کو خیرہ کرنے والی روشنیاں در آچکی تھیں۔ بلکہ بعض قرائن سے یہ بات یہاں تک واضح ہوجاتی ہے کہ عہد رسالت ہی میں اسلام کے اثرات سے ہند کا خطہ جنوب مشرف ہو چکا تھا۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی روایتیں بغیر کسی تغیر و تبدل کے ایک طویل عرصہ پر محیط تھیں۔ وہ سارے امور جو سلفاً و خلفاً ایک اسلامی امانت کی حیثیت سے نسل در نسل منتقل ہوتے رہے تھے ہر مسلمان اس کو گلے سے لگائے ہوئے تھا۔ اس میں کسی طرح کا تغیر نہ کیا تھا اور نہ ہی اس کو پسند کرتا تھا کہ اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ اسلامی سرمایہ ہندوستان میں امتیازی خصوصیات کا حامل تھا۔ حتیٰ کہ آج بھی ہند کی قدیم لائبریریاں اُن بے پناہ قیمتی سرمایہ اسلامی سے بھری پڑی ہیں۔

پھر حجاز اقدس کی سرزمین پر وہابی ازم کا تسلط ہوا۔ چونکہ ہندوستان کو عرب سے قدیم تعلق تھا اس لئے وہابی تحریک کا اثر ہندوستان پر بہت گہرا ہوا اور ہندوستان کے پرسکون اسلامی ماحول میں اختلاف وانتشار کا سب سے پہلا پتھر جو پھینکا گیا وہ اسمٰعیل دہلوی کی کتاب **تقویۃ الایمان** کا تھا۔ یہ اتنے اچانک اور بھیانک طور پر کیا گیا کہ یہاں کا پرسکون

۱؎ اگرچہ اس میں بعض جماعتیں سیاسی چپقلش کی پیداوار ہیں مگر اس کے بالالتزام جملے منقولات ہی پر ہوتے رہے اس کے لئے تاریخ کا مطالعہ کریں۔ ۱۲ قمر غفرلہ

۲؎ ہمفرے کے اعترافات اور تاریخ نجد وحجاز از مفتی عبدالقیوم کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۲ قمر غفرلہ

اسلامی ماحول مرتعش ہو گیا۔ پھر اہل سنت وجماعت کے خلاف ملکی خانہ جنگی کی لہر چلی جو دیکھتے دیکھتے برصغیر میں پھیل گئی۔ گمراہی کے نئے ابواب قائم کیے گئے۔ اسلاف کی مروّج روایتوں کو شرک وبدعت کہہ کر ترک کر دیا گیا۔ اس طرح جماعت اہلسنّت ایک عجیب کشمکش کے ماحول سے گزر رہی تھی۔ سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی۔ ومجاہد حریت علامہ فضل حق خیرآبادی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ان کے معاصر علمائے حق نے اپنے اپنے دور میں وہابیت کا تعاقب کیا اور غلط نظریات کے تاثرات کو زائل کرنے اور اسلام کی سچی قدروں سے آشنا کرانے کا کامل فریضہ انجام دیا۔ علیہم الرحمۃ والرضوان۔

چونکہ اس مکروہ چہرے سے خاص کر انھیں بزرگوں نے نقاب ہٹائی تھی جس میں امام اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا نے جذبۂ دینی اور خلوص سے اسلام کے گلشن شگفتہ کو تاراجی سے محفوظ رکھنے کے لیے خصوصًا اہم کردار ادا کیا۔ لوگ ان کے طرز فکر ونظر کے بے حد مدّاح ہو گئے اور ایک عالم سمٹ کر ان کے گرد اکٹھا ہو گیا۔ اس طرح سواد اعظم مسلک اہلسنّت وجماعت کی قیادت ایک عبقری کے ہاتھ میں آ گئی۔

آپ کی علمی وجاہت اور قدآور شخصیت کے آگے بڑے بڑے قد بونے نظر آتے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کے حاسدین اور معاندین کا ایک سلسلہ بھی شروع ہوا۔ مگر آپ نے ہمت نہاری اور پوری ایک جماعت کا کام آپ کو تنہا کرنا پڑا جس کو آپ نے خندہ پیشانی سے قبول بھی فرمایا۔ چونکہ مسلک حق کی اشاعت اور اس کی تنقیح نیز بد باطنوں کی دسیسہ کاری کا پردہ آپ ہی نے چاک کیا۔ اس لیے آپ کی خدمات جلیلہ دیکھ کر لوگ آپ کے امتنان وتشکر کے لیے خود کو بریلوی کہنے لگے [1] یہاں تک کہ یہ لفظ برصغیر میں اہلسنّت وجماعت کا متبادل بن گیا۔ لیکن مسلک حق کی مخالف جماعتیں اس لفظ کو ایک غلط رخ دینے کے لیے پر تول رہی تھیں جن کو ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہاں تک کہ ان کے غلط پروپیگنڈے سے "بریلوی" ایک الگ جماعت کا تصوّر ہو گیا۔ اور اس کی غلط تشہیر کے لیے کتابیں لکھی گئیں [2] دیار عرب میں "البریلویۃ" نام کو گمراہی کا مترادف قرار دیا گیا۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ اگر لفظ "بریلوی" استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے ایک ایسا تصوّر ابھرتا ہے جو اپنی حقیقت کھو چکا ہوتا ہے۔ معاندین اور حاسدین اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی ناکام کوشش کرتے رہے اور جو افراد حق کے شیدائی اور سچے اسلام دوست تھے وہی نکو بن گئے۔ ظالم مظلوم ہو گیا اور مظلوم ظالم۔ تاریخ کا یہ خوفناک پہلو اپنی نوعیت کا ایک ایسا پہلو ہے جس کو سوچ کر کسی بھی سلیم الطبع شخص کا وجود لرز اٹھے۔

یہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ کسی بھی منظم پلان کے تحت تاریخ کے رخ کو موڑا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہابیوں، دیوبندیوں، ندویوں، سلفیوں، غیر مقلدوں تمام باطل عقائد رکھنے والوں نے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی انتھک کوشش کی۔ مشہور مقولہ ہے کہ "جھوٹ کو اتنی بار بولا جائے کہ سچ معلوم ہونے لگے"۔ چنانچہ اس جھوٹ کو کہ "بریلوی ایک گمراہ فرقہ ہے"۔ اتنی شدّ ومد کے ساتھ نصف صدی سے مسلسل بولا جا رہا ہے کہ بہت سے سادہ لوح اذہان اس کو صحیح سمجھنے لگے۔ آج باہر کی دنیا میں جہاں بھی قدم رکھا جائے تو لفظ "بریلوی" استعمال کرنے پر ایک عجیب سا تاثر ابھرتا ہے۔ حالانکہ عشق وعرفان، توحید وتقدیس، عظمت رسالت ونبوت، توقیر صحابہ، عزّت اسلاف کے حسین روایتی امتزاج کو جس والہانہ شیفتگی سے امام احمد رضا نے پیش کیا اور لوگوں کو اس کا درس دیا۔ دین کے بے پناہ جذبۂ محبت کا اسی بے دردی سے "بدعتی، مشرک" کہہ کر گلا گھونٹا گیا۔ یہ بھارتی وہابیت کی دسیسہ کاری ہے۔

امام احمد رضا کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے ملّت فروشوں، مذہب کے بے ضمیروں کی سازش کا پردہ چاک کیا تھا . . .

---

[1] نوٹ:۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ امام احمد رضا کے اتباع کے بجائے معاند جماعتوں خصوصًا وہابیوں نے استعمال کیا اور غلط معنی ومراد میں اس کی تشہیر کی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۲ ر قمر غفرلہ

[2] احسان الٰہی ظہیر کی "البریلویۃ" یا "المنجد" کے اعلام کی بحث میں اس کو ایک گمراہ، بدعتی اور سنّت کے خلاف عمل کرنے والا فرقہ کے نام سے تعارف کرایا گیا۔ ۱۲ ر قمر غفرلہ

جب خدا کو جھوٹا کہا گیا تو امام احمد رضا نے شان الوہیت میں گستاخی کرنے والوں کا شرعی محاسبہ کیا، جب رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو شیطان کے علم سے کم حتی کہ چوپایوں سے بھی گھٹیا بتایا گیا تو امام احمد رضا نے ان ناپاک نظریات کے پرخچے اڑائے اور ان کفریات پر توبہ کرانے کی مہم چلائی۔ جب خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی ہونے سے انکار کر دیا گیا اور ان کے بعد زمانی و مکانی نبی کی تعمیم کی گئی تو امام احمد رضا ایسی گستاخیوں پر تڑپ اٹھے [1] اور تقدیس و عظمت رسالت کے باغی اذہان کو شرعی مہمیز لگائی۔ یہ جرم تھا اس عبقری شخصیت کا۔ اگر ان ابنائے وقت کو کھلے بندوں چھوٹ دے دی گئی ہوتی تو امام احمد رضا نکو نہ بنے ہوتے۔ مگر جہاں ان کے کفر و ارتداد پر امام احمد رضا نے گرفت فرمائی تو نہاں خانۂ نجد و دیوبند سے امام احمد رضا پر بدعتی اور مشرک ہونے کا الزام لگا کر اس کی تشہیر کی جانے لگی ـــ امام احمد رضا نے خود کچھ نہ کہا بلکہ حرمین طیبین کے علمائے عظام، اور شیوخ و مفتیان کرام سے ان کے باطل اور غلط نظریات پر فتاوی حاصل کیے [2] جس سے دیوبندی مکتب فکر میں بھونچال آ گیا اور امام احمد رضا کی علمی ثقاہت، مذہبی تدین، عشق سوزی رسالت مآب، فقہی عبور پر سیخ پا ہو کر ایسی گھناؤنی حرکتیں کی جانے لگیں کہ ہر سنجیدہ شخص اُف اُف کر اٹھا۔ یہاں تک کہ ان کی علمی برتری کو سبوتاژ کرنے کے لیے انھیں نیم خواندہ، ہلکا پھلکا میلاد خواں مولوی کہا جانے لگا جو بات بات پر شرک و کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ یہ مہم دیوبندی نگار خانوں میں کل بھی چلائی جا رہی تھی اور آج بھی چلائی جا رہی ہے۔

اس تناظر میں ہندوستان کے اندر اہلسنت و جماعت کی مقدار اب بھی اپنی اکثریت کے اعتبار سے غالب ہے اور غالب رہے گی۔ مگر انتہائی افسوس کا مقام اس وقت آتا ہے جب "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کے مصداق اپنوں کے یہاں باہمی انتشار، آپسی نزاع کی ہوا ملتی ہے۔ ہوا یہ کہ ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کر کے آفاقیت کے ضبط و انحصار کا کھیل کھیلنے کی کوشش کرنے لگا۔ مسلک حق اہلسنت کی فروع ہر قرن اور ہر ملک میں پائی جاتی رہی ہیں۔ جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی علمائے اہلسنت کہلائے، اسی طرح قادری، نقشبندی، چشتی، سہروردی وغیرہ عرفا و صوفیائے اہلسنت کے نام سے جانے جاتے رہے۔ ہندوستان بھی اس ماحول میں رنگا۔ یہاں بھی صوفیا و عرفا نے جنم لیا اور شخصیتوں کی جانب انتساب سے اہلسنت کی فروع متنوع ہوتی چلی گئیں۔ اشرفی (سیدی غوث زماں مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ) نظامی (قطب زماں سیدی نظام الدین بدایونی علیہ الرحمۃ) برکاتی (سید الاتقیا سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی علیہ الرحمۃ) رضوی (امام اہلسنت شاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ) نعیمی (صدر الافاضل شاہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ) مظہری (عارف باللہ مفتی اعظم دہلی علامہ مفتی مظہر اللہ علیہ الرحمۃ) عزیزی (استاذ العلماء علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارکپوری علیہ الرحمۃ) حبیبی (مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمن رئیس اڑیسہ علیہ الرحمۃ) تیغی (عارف باللہ شاہ تیغ علیہ الرحمۃ) وغیرہ جیسی مقدس پاکیزہ شخصیت کی طرف انتساب ہی کی وجہ سے کہلائے۔ ان میں کا ہر ایک مسلک حق اہلسنت و جماعت ہی کا فرد ہے۔ ہر ایک دوسرے کا اسلامی بھائی ہے، سب کے سب باہم ایک ہی مسلک کے پیروکار، کوئی معتقداتی اختلاف نہیں۔ کوئی نظریاتی فرق نہیں، سب ایک دوسرے کے لیے معظم اور محترم بلکہ انما المؤمنون اخوۃ کی عملی تفسیر۔ کہ آپس میں رشتۂ اخوت اسلامی ہی بہت۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے طوفان کی زد پر عقیدتوں کا چراغ جلایا، اتحاد

---

[1] مطالعہ کیجیے جہد المقل از مولوی محمود حسن دیوبندی، حفظ الایمان از مولوی اشرف علی تھانوی، براہین قاطعہ از مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، تحذیر الناس از مولوی محمد قاسم نانوتوی۔ ۱۲ ر قمر عفرلہ

[2] حسام الحرمین اور فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین از امام احمد رضا علیہ الرحمۃ۔ ۱۲ ر قمر عفرلہ

کی آواز بلند کی، محبتوں کا درس دیا، ایک دوسرے کے احترام کا سبق پڑھایا۔ اولیاء کی تعظیم کی اور کرنے کا طریقہ سکھایا، خانقاہوں کو تحفظ بخشا، مشیخیت کے چہرے پر تقدس کا غازہ ملا۔ جب اسلامی افکار پر بدعتوں کی سنگ باری ہو رہی تھی تو عقیدتوں کے شیش محل کی حفاظت کی۔ جب اولیائے کاملین کی بارگاہوں میں حاضری پر شرک کے گولے داغے جا رہے تھے تو احترام کا سد سکندری بن گئے مگر آج اپنے۔۔۔

میں یہ تلخ بات کہنے سے گریز نہ کروں گا کہ آج ہم ایک دوسرے کے درپئے آزار ہیں۔ آج ہر ایک دوسرے کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ میں نے بعض ایسے دیار دیکھے ہیں جہاں یہ خانہ جنگی خوفناک صورت حال اختیار کر گئی ہے۔ رضوی اشرفی اختلاف، اشرفی برکاتی اختلاف، حبیبی تیغی اختلاف اور اس طرح جانے کتنے اختلاف جنم لے رہے ہیں۔ اور ہمارے مشائخ تماشائیوں کی صف میں کھڑے محو نظارہ ہیں۔ اپنی انرجی ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی میں صرف ہو رہی ہے حالانکہ سب ایک ہی فکر و نظر کے پیروکار۔ پھر یہ آپسی لڑائی کیوں؟ ایک دوسرے کے ساتھ تنگ دلی کا مظاہرہ کیوں؟ کیا ہماری اتنی جرأت ہے کہ جن نفوس قدسیہ نے اپنی پاکیزہ راتوں کے زہد و ورع سے ہمارے خلوت کدۂ دل میں عشق مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا عرفان جگایا ان کی غلامی سے انکار کر سکتے ہیں؟ سب کا جواب "نہیں" ہوگا پھر ذہنوں میں عفریتی عنصر جنم کیوں لے رہا ہے؟ اپنے شیخ کو افضل و اکمل سمجھنا ایک مرید کا وطیرہ و شیوہ ہے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اپنے شیخ کی فضیلت میں دوسری شخصیتوں کی تنقیص کی جائے۔ اسے عقیدت نہیں بلکہ کسی اور لفظ سے تعبیر کیا جائے گا۔

ایک انسان جب تک اپنے داخلی علائق سے قطع نظر ہوتا ہے تو اگر اس کو ایک چیونٹی کاٹتی ہے تو درد کا لاوا ابل پڑتا ہے۔ مگر جس کو کینسر ہو جائے اس کو چیونٹی نہیں بچھو ڈنک مارے تو کینسر کا احساس کرب چیونٹی کے ڈسنے کو فراموش کر دیتا ہے۔ آج ہماری حالت بالکل یہی ہے کہ ہم چیونٹی کے کاٹے کا واویلا مچاتے ہیں مگر کینسر جیسے موذی مرض سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔ یہ ہماری خود فریبی ہے اپنی ذات کو دھوکہ دینا ہے۔ آج اہلسنت وجماعت پر ہر چہار سو سے حملے ہو رہے ہیں۔ بنام مسلم مفسد تنظیموں کا حملہ، وہابیت، دیوبندیت، سلفیت، نیچریت، شیعت، بوہریت، قادیانیت جیسے جنے کتنے حملے۔ پھر خارجی طور پر ہندویت، اشتراکیت، دہریت، عیسائیت، یہودیت وغیرہ کے حملے۔ یہی ایک جماعت ہے جس کو چومکھی لڑائی لڑنی پڑ رہی ہے۔ اب آپ خود سوچو اگر ہم اپنی ساری توانائی داخلی جنگ پر صرف کر دیں گے۔ تو خارجی حملوں کے وقت آپ اپنی حفاظت کا کیا انتظام کروگے؟ ہم کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا یہ آپسی اختلاف ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے، اور ہمارا تشخص معدوم ہو جائے۔

جتنے سنی ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اِختلافُ اُمّتی رحمۃٌ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) اسی اعتبار سے کہ اختلاف کی نوعیت نفسانیت سے خالی ہو۔ مقاصد دینی پیش نظر رہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و شفقت کا جذبہ ہو۔ ایک دوسرے کی تعظیم ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت ہو نہ یہ کہ دشمنی و عناد کی یہ منزل ہو جائے کہ اپنے بھائی کا گلا کاٹنے سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔

امام احمد رضا پر حرف گیری یہ اپنی تہی دامانی کی دلیل ہے ورنہ جس ذات نے ہندوستان کے اندر عفریتی دور میں ہمیں ہمارا تشخص بخشا، ہر منزل پر ہماری رہنمائی کی، ہماری ایمانی سرحدوں پر یکہ و تنہا محافظ کا فریضہ انجام دیا، ہماری قدروں کو مجروح ہونے سے بچایا آج اس بے داغ شخصیت کے متعلق مختلف قسم کی یاوہ گوئی، اور طوطا چشمی کی جا رہی ہے۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے۔ حیرت بالائے حیرت تو اس پر ہے کہ منصب مشیخیت پر جلوہ بار شیوخ ایسے جملے استعمال کرتے ہیں جن کو سن کر کسی بھی غیرت مند کا سر ندامت سے جھک جائے۔ میں انتہائی ادب سے اہلسنت کے شیوخ و علماء سے گزارش کروں گا کہ اپنے اندر ژرف نگاہی پیدا کیجیے اور محسنوں کے احسان کو پہچانیے

ورنہ کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ (جیسی کرنی ویسی بھرنی) کا نمونہ خود آپ کے سامنے آئے گا۔ کہ یہی نظام فطرت ہے۔

خدارا۔ اہلسنت کی وحدت کو پارہ پارہ نہ کیجیے۔ اس کا تشخص نہ مٹائیے۔ اگر مشائخ کرام اور علمائے عظام اپنے اپنے مریدوں اور شاگردوں کو باہمی محبت کی تلقین کرتے، بزرگوں کا ادب سکھاتے تو یہ منزل نہ آتی کہ اہلسنت وجماعت سے متعلق افراد آپس میں ٹکراتے۔

مگر ہوتا کیا ہے کہ اپنی انا کا تعلی پسندانہ مزاج دوسروں کی تنقیص پر برانگیختہ کرتا ہے اور زمرۂ مریداں میں مرشد کی زبان اپنی مدح وستائش، اپنی کرامتوں کے بیان اور دوسروں کے عیوب ونقائص ظاہر کرنے میں اتنی شستگی کے ساتھ چلتی ہے کہ سامنے بیٹھے ہوئے افراد تنقیص کے اس پہلو کو حق گوئی کا ایک کراماتی کرشمہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ غیر شعوری طور پر دوسروں سے نفرت کے جذبات سر ابھارنے لگتے ہیں اور غیر محسوس طور پر نفرت کا یہ بیج کچھ دنوں بعد ایک تناور درخت ہو جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ افتراق وانتشار اور ذہنی کج روی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

لیکن اگر اپنے مریدوں کے سامنے اپنی مدح وستائش کے ساتھ دوسرے بزرگوں کی بھی تعریف وتوصیف کی جاتی تو ہر شخص ایک دوسرے کی محبتوں کا گرویدہ ہوتا۔ ہمارے اسلاف نے یہی کیا تھا۔ امام احمد رضا اور محدث سورتی، محدث اعظم اور صدر الافاضل، سیدی مفتی اعظم ہند، حافظ ملت، مجاہد ملت، سید العلماء، برہان ملت علیہم الرحمۃ والرضوان کے حالات زندگی پڑھنے سننے اور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ کتنی الفت ومحبت، عظمت وتعظیم سے پیش آتے تھے اور اپنے حلقہ اثر میں ایک دوسرے کی مدح وستائش میں کس قدر رطب اللسان رہتے کہ سامنے موجود افراد جب اس بزم حرمت وعزت سے اٹھتے تو ایک دوسرے کے سینے اپنے ہر سنی بھائی کے لئے لبریز رہتے۔ اور جب کبھی کہیں کسی کا مرید ملتا تو اس طرح ملتے جیسے اپنا حقیقی بھائی ہو۔ یہی ایک مسلمان کے لئے لازم کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ (مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان وہاتھ سے مسلمان سلامت رہے) مگر آج ذہن ایک دوسرے کی عیب جوئی سے اتنا بھر چکا ہے کہ جائے محبت باقی نہ رہی۔

دو افراد ایسے ہوتے ہیں جو قوموں کے معمار کہے جاتے ہیں ایک تو مدرس دوسرے پیر ایک پیر جتنا کام تنہا کرے گا پچاس عالم مل کر نہیں کر پائیں گے۔ یہ مشاہدات پیش کر رہا ہوں۔ اسی طرح ایک مدرس جتنی اہم خدمات اپنے شاگردوں کے ذریعہ کر سکتا ہے۔ سو آدمی بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مرید کا اپنے پیر سے اور شاگرد کا اپنے استاذ سے ایک جذباتی رشتہ ہوتا ہے کہ دونوں شخصیتوں کی زبان سے نکلی ہوئی بات بہر نوع دونوں جماعتوں پر شدید اثر انداز ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ اور مدرسین کی ذمہ داری ہے کہ ذہنوں کو اتنی صحیح جہت پر لگائیں کہ ہر شخص کا دل عزت واحترام، اور عقیدت ومحبت کا موجزن چشمہ سیال ہو جائے۔

علمی اختلاف اس امت کے لئے رحمت ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔ نیز یہ ہمارے اسلاف کی سنت ہے امام الائمہ سراج الامۃ سیدی امام اعظم ابو حنیفہ سے اختلاف ان کے شاگردوں امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر علیہم الرضوان نے کیا۔ مگر اختلاف کی نوعیت ملاحظہ فرمائیں کہ قطعاً تنقیص کے شبہات بھی آپ کو نہیں ملیں گے۔ ہر عالم کو حق حاصل ہے کہ اپنے علمی اثاثہ، دقتِ نظر، ذہنی تخییل اور قوت فکر سے سوچے۔ ان افکار میں یقیناً اختلاف ہوگا اور ہونا بھی چاہئے کہ یہ لابدی ہے۔ چند آراء کا متحد ہونا کوئی ضروری نہیں۔ مگر دوسرے کی رائے کی تحقیر، اس کے مبلغ علمی کا استہزاء یہ کسی جاہل کو بھی زیب نہیں دیتا چہ جائیکہ علماء ومشائخ؟ آج ماحول میں جو یہ دوریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اپنی رائے کے آگے دوسروں کی رائے کا استہزاء کیا جاتا ہے اور اپنے متعلقین میں ایسا تاثر دیا جاتا ہے کہ فلاں تو ابھی طفل مکتب ہے۔

آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں اور غور کریں کہ اگر کسی بھی شخص کے سادہ ذہن پر کسی بھی بات کو بار بار پلیش کیا جاتا رہے گا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ذہن متاثر ضرور

ہوگا۔ اگر مثبت نظریہ ہے تو اس کا اثر مثبت ہوگا اور اگر منفی ہے تو منفی۔

میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جن مقدس شخصیتوں کی جانب انتساب کی وجہ سے ہماری ارادتی اور غلامانہ نسبتیں ظہور پذیر ہوئیں کیا اگر وہ آپ کے سامنے ہوتیں تو آپ ان کی عیب جوئی اسی طرح کرتے جس طرح آج زمرۂ احباب میں بیٹھ کر کر رہے ہیں؟ یقین جانئے مذکور الصدر مقدس نفوس قدسیہ کے قدموں سے مس شدہ ذرات بھی ہماری آنکھوں کا سُرمہ ہیں۔ ان کی پاپوش ہمارے سروں کا تاج — حاشا — حاشا ہماری یہ جرأت کہ ان کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کریں۔ ہم تو ان کے زیر بار احسان ہیں کہ انھوں نے اپنے جگر کے لہو سے گلشن سنیت کو سینچا کہ جس کی دلگیر خوشبو آج بھی مشام جاں کو معطر کر رہی ہے۔

آخر میں اتنا عرض کروں گا کہ .... للہ .... آپسی اختلاف کو ہوا نہ دیجیے۔ شیرازہ اہلسنت کو منتشر نہ کیجیے۔ اپنی طاقتوں کو آپس میں لڑ کر ختم نہ کیجیے۔ آپ کو ہر چہار سو محاذ پر نبرد آزما ہونا ہے۔ آج ہمارا تشخص چھیننے کے لئے ایک طرف فرقہ پرست طاقتیں دوسری طرف بنام مسلم گمراہ جماعتیں تیسری طرف اسلامی اثاثۂ فکر و نظر کے غارت گر قذاق کے روپ میں ہر جگہ گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ خانہ جنگی ہی میں الجھے رہیں گے تو کبھی بھی ایک ہلکے حملہ کی ضرب بھی برداشت نہ کر سکیں گے اور دیکھتے دیکھتے آپ کی عزتِ ایمانی نیلام ہو چکی ہوگی۔ جہتوں اور سمتوں کی یہ تقسیم آپ کی تباہی تو ہو سکتی ہے مگر آپ کے حق میں سودمند نہیں۔ ہر سنی ہمارا اپنا ہے اور ہمارا بھائی ہے۔

عوام سے گزارش کروں گا کہ آپسی اختلاف کو دور کر کے شیر و شکر ہو جایئے۔ شریعت کا عامل سنی صحیح العقیدہ ہر پیر آپ کا محترم ہے اس کی توقیر کیجیے۔ اور نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کیجیے ورنہ افق پر اٹھنے والے طوفانی مرغولے اتنے خطرناک ثابت ہوں گے کہ تباہیاں عام ہو جائیں گی۔ جو خوفناک طوفان تناور درختوں اور جھونپڑیوں کو اڑا کر گمنام وادی میں پھینک سکتا ہے۔ وہ آپ کی شخصیت کو بھی ہلاکت کی دہلیز پر پہنچا دے گا۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ (اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔ "کنز الایمان")

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا





(صفحہ ۴۵ کا بقیہ)

جانشین ہوئے۔

ویسے تو قطب صاحب کے سبھی خلفاء اپنے فضل و کمال میں فلک روحانیت کے انجم تاباں کی حیثیت رکھتے ہیں مگر مذکورہ دونوں بزرگوں کی تبلیغ دین۔ اور اشاعت اسلام پر بہت بسیط کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان چشتی درویشوں نے اپنے اپنے حلقوں میں اپنی سادگی اور بے تکلف زندگی کے ذریعہ اسلام کو متعارف کرایا — ڈاکٹر عزیز احمد لکھتے ہیں۔

قصبوں اور دیہاتوں میں صوفی اپنے مسلم مریدوں کے اندرونی دائرے اور غیر مسلم خصوصاً نیچی ذات کے ہندو مداحین کے بیرونی دائرے میں ایک محور کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ غیر مسلم مداحین صوفیوں کی روحانیت اور بلند انسانی اقدار سے بڑا اچھا تاثر لیتے تھے چنانچہ بیرونی دائرہ بالواسطہ طور پر آہستہ آہستہ اسلام میں مدغم ہو جاتا تھا۔[1]

---

[1] بابا فرید الدین مسعود گنج شکر۔ مؤلفہ جعفر قاسمی ترجمہ طاہر اسدی۔ مطبوعہ لاہور ص: ۳۲

حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ تحریک

عبد النعیم عزیزی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمان صرف میدان جنگ ہی نہیں ہارے تھے، علم وحکمت کا میدان بھی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ اس یوم شکست اور غلامئ فرنگ کا طوق گلے میں آنے سے لے کر غلامی سے رہائی آزادی کا گلے کا ہار بننے اور تقسیم ملک کے بعد ایک نئے ہندوستان کے وجود میں آنے تک کی نوے سال مدت کی داستان زوال مسلم کی المیہ داستان ہے ایک عظیم ٹریجڈی کا اور ایک دہائی کم پوری ایک صدی کی یہ تاریخ۔ تاریخ مسلم کا ایک نہایت ہی سیاہ باب ہے جو عبرت انگیز بھی ہے اور حیرت انگیز بھی جس میں غیروں سے زیادہ اپنوں کی شرانگیزی اور فتنہ پروازی کا دخل ہے۔

اس طویل مدت میں ہندوستان مختلف مذہبی عقائد وخیالات سیاسی، اقتصادی، سماجی اور تعلیمی تحریکات ونظریات۔ بھانت بھانت کے آدرشوں فلسفوں، سائنسی اصولوں، فرنگی زبان وتعلیم اور فیشن وتہذیب کی ایک آماجگاہ بن گیا تھا۔ ہر عقیدہ وخیال۔ ہر تحریک ونظریہ، ہر فلسفہ وآدرش، ہر اصول وتھیوری، ہر رسم ورواج اسلامی نظریات سے متصادم، اسلام اور مسلمانوں کے درپئے آزاد اور سب کے سب سم قاتل۔

مگر ان سب کے مدمقابل ایک اور تحریک نے انگڑائی لی۔ ایک خالص اسلامی تحریک۔ سینہ ودل میں خوف الٰہی اور محبت رسالت پناہی کی جوت جگانے والی تحریک۔ مسلمانوں کو قرآن وسنت سے جوڑنے والی تحریک جس کے سالار کارواں تھے ۱۴ویں صدی ہجری کے مجدد، مجدد دین وملت۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز۔

جنھوں نے ہر غیر اسلامی عقیدہ وتحریک کا دم توڑ کر حق وصداقت کا پرچم لہرا دیا۔ دین کی تجدید کی سنت کا احیا کیا اور جو خود ناموس رسالت کی تحریک بن گئے اور تقدیس انبیاء کا وہ چراغ روشن کیا کہ گھر گھر سے لے کر قلب وجگر اور فکر ونظر تک منور وتاباں ہو گئے۔

امام احمد رضا نے پچاس سے زائد علوم وفنون (عقلی ونقلی۔ قدیم وجدید) پر ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل لکھ کر ہر باطل کا بھرپور رد کیا اور اسلام کی حقانیت واضح کر دی۔ انھوں نے کفار ومشرکین اور ملحدین ومرتدین ہی کو نہیں ہر باطل خیال حتیٰ کہ باطل علم کو بھی مسلمان بنانے کی مہم چھیڑ دی۔ فاضل بریلوی نے اسلام کے مسخ ہوتے چہرے کو تازگی وسرخی دی اور مسلمانوں کے عقائد وایمان کی حفاظت کی۔

امام احمد رضا نے باطل کی سرکوبی کے لیے اپنے شہزادگان، خلفاء وتلامذہ اور دیگر علماء ومشائخ پر مشتمل ایک ٹیم بھی تیار کی اور بریلی سے لے کر مارہرہ وکچھوچھہ، پیلی بھیت وگھوسی۔ پٹنہ وجبل پور۔ مراد آباد ومیرٹھ، لاہور وہزارہ غرضکہ ہند کے طول وعرض میں دین خدا اور عشق مصطفےٰ کی شمعیں جل اٹھیں اور کفر وضلالت وبدعت وجہالت کی تاریکیاں کافور ہونے لگیں۔

آج مخالفین ومعاندین اور حاسدین امام احمد رضا کی اس تحریک اور ان کے پاکیزہ مشن ومسلک حق کو بریلوی تحریک اور بریلوی مسلک کہہ کر مطعون کرتے ہیں اور اس مسلک کے ماننے والوں۔ صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کو بریلوی کہہ کر اپنی دانست میں انھیں گمراہ سمجھتے ہیں۔

بہر حال حق یہی ہے کہ بریلوی مسلک کوئی نیا یا غیر اسلامی مسلک و مذہب نہیں ہے بلکہ مذہب حق۔ مذہب اہلسنت اسلام ہی ہے لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بریلوی تحریک نے تحریک اقامت دین مودودیہ سے لے کر تحریک دیوبند وندوہ۔ تحریک قادیان و علی گڑھ حتی کہ ہر باطل تحریک کو جامد و ساکت کر کے رکھ دیا۔

امام احمد رضا کے وصال (متوفی ۱۹۲۱ء) کے بعد جنم لینے والی جو دوسری اسلام اور مسلم دشمن مذہبی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تعلیمی تحریکیں اٹھیں یا عقائد و خیالات اور نظریات پروان چڑھے ان سب کا آپ کی تیار کردہ ٹیم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور مسلمانوں کو ان کے دام فریب میں پھنس کر ہلاکت و ضلالت کے غار میں گرنے سے بچائے رکھا۔

اس میں شک نہیں کہ دفاعی جنگیں لڑی جا رہی تھیں، حملے روکے اور مورچے توڑے جا رہے تھے لیکن ضرورت اس بات کی بھی تھی کہ بڑھ کر وار بھی کیا جائے اور اسلام کا ایسا غلبہ اور مسلمانوں کا ایسا دبدبہ ظاہر ہو کہ باطل قوتیں حملہ تو حملہ تخریب اور گھس بیٹھ کی جرأت بھی نہ کر سکیں اور جیسا کہ فوجی تنظیم کا تقاضا ہے کہ جنگی ہیڈ کوارٹر اور چھاؤنی کے لیے سپاہیوں کی بھرتی اور ان کی ٹریننگ کا بندوبست ہو اور اسلحہ ساز کارخانے بھی قائم ہوں تا کہ ان کے لیے اسلحہ جات کی فراہمی ہو سکے جاسوسی شعبہ، اسپتال، راشننگ اور دوسرے ضروری شعبے جات بھی اس ہیڈ کوارٹر کے تحت قائم ہوں تا کہ کسی بھی وقت موقع آن پڑے تو حملۂ دشمن کا جواب بھی دیا جا سکے اور جہاں حملہ کرنا ناگزیر ہو وہاں بڑھ کر وار بھی کیا جا سکے۔

لہٰذا دین پر ہونے والے حملۂ باطل اور اپنے دین حق کی تبلیغ و اشاعت غلبۂ اسلام اور انسانیت کے فلاح و بہبود کے لیے بھی ایک اسی طرح کے نظام کی تشکیل کی ضرورت تھی اور یہ نظام و دستور قوم مسلم کو رسول کونین قائد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو ہیڈ کوارٹر بنا کر پیش کر دیا تھا۔

ایک مسجد نبوی تھی اور اس کے مختلف روپ تھے اور اس کا ہر روپ کامل و اکمل تھا۔ یہ بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہونے کے لیے عبادت گاہ بھی تھی اور بارگاہِ مصطفٰے میں دل جھکانے درس دینے والا تصوف کدہ بھی تھی۔

اور علم دین، قانون شریعت بلکہ سلیقۂ زندگی اور شعور بندگی کی تعلیم عطا کرنے والی درسگاہ بھی تھی اور یہ کونسل ہاؤس، سیاسی اور جنگی ہیڈ کوارٹر بھی تھی۔ رسول گرامی وقار، محسن اعظم علیہ السلام نے کل کارخانے نہ لگا کر، مشین اور پرزے نہ ڈھال کر دل بنائے تھے اور دل بھی بنائے تھے۔ ایک پاکیزہ جماعت تیار کی تھی۔ افراد ڈھالے تھے۔ شخصیت کی آرائش، انسانیت کی تعمیر قلب و نظر کی تطہیر کی تھی، کردار سازی کی تھی۔ اخلاق کا نکھار اور سنوارا اور ذہن و فکر کو مستنیر کیا تھا۔ اور پھر شعور بندگی و سلیقہ زندگی عطا کر کے اسلامی اسٹیٹ کے قیام کا طریقہ اور سیاست و ریاست کی تعلیم بھی عطا کی تھی۔

ہر دور میں مسلم قائدین و مصلحین نے اسی دستور، اسی آدرشی الٰہی فلسفہ اور اسی نبوی طریقہ کار پر عمل کر کے دنیوی اور اخروی کامیابی و کامرانی جہانگیری و جہانبانی اور سرخروئی و سرفرازی حاصل کی تھی اور جب جب مسلمان اس نظام سے ہٹے۔ رشتۂ سنت سے کٹے تو لٹے پٹے اور ذلیل و خوار ہوئے۔

امام احمد رضا نے بھی اسی نبوی دستور کو عام کیا تھا۔ قرآن و سنت سے رشتۂ مسلم کو استوار کیا تھا۔ بیداری قوم، وقار ملت اور سیاست و قیادت پر غلبہ پانے کا ایک فارمولا پیش کیا تھا۔

آج ہندوستان میں بھی اسی نظام کے قیام کی ضرورت تھی۔ لیکن اس بحرانی دور میں دفاع ہی سے مہلت نہ مل رہی تھی۔ کسی منصوبہ کی تکمیل یا کوئی تعمیر کیسے ہو پاتی۔

مشاہیر علماء و مشائخ قلب و نظر سنوار رہے تھے۔ ہاتھوں میں ہاتھ لے کر عقیدت و الفت کے چراغ روشن کر رہے تھے۔ تحفظ عقائد و ایمان کے ساتھ تبلیغ دین و اصلاح قوم کے لیے اپنے جگر کا خون پانی کر رہے تھے۔ مسلک اہلسنت کی روشنی میں چلنے والے مدارس اور اس پر عمل پیرا خانقاہیں بھی محفوظ قلعوں کا رول ادا کر رہی تھیں۔ مگر ابھی وہ ادارہ یا ہیڈ کوارٹر قیام

میں نہیں آپایا تھا۔ جہاں سے حافظ و قاری، امام و مولوی، عالم و فاضل خطیب و مقرر، مفتی و قاضی کے ساتھ ساتھ جدید علوم و معلومات سے بھرپور واقفیت رکھنے والے واعظین اور مختلف مذاہب پر گہری نظر رکھنے والے مناظرین، ادبا، مصنفین، محققین، مترجمین، فن صحافت کے ماہرین، مدبرین و مفکرین اور مصلحین و قائدین بھی تیار کرکے مغرب کے طلسم کو توڑ سکیں اور ہر حال میں اسلام کی حقانیت اور اسلامی علوم و فنون کی صداقت ثابت کرسکیں اور ایسے افراد بھی تیار ہوکر نکلیں جو ٹکنالوجی، سائنس، میڈیکل، انجینئرنگ، کامرس وغیرہ کے میدانوں میں بھی پہنچ کر قوم کی ترقی و بھلائی کا کام کرسکیں اور ایسے بڑے کام کے لیے ایک ایسے تعلیمی ادارہ کی ضرورت تھی جو عصر حاضر کی یونیورسٹیوں کی ہم پلہ ہو مگر نیچریت سے پاک ایک دینی اسلامی درس گاہ اور بلا شبہ ایسی درس گاہ کا قیام ناگزیر تھا۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ سنہ ۱۹۴۷ء میں ایک تقسیم شدہ نیا ہندوستان سیکولر ہندوستان یا بھارت وجود میں آیا جہاں مسلمان اقلیت میں آگیا تھا۔ اکثریتی طبقہ حکومت پر چھا گیا تھا۔ اور اس طبقہ کے فرقہ پرست عناصر اور فرقہ پرست جماعتیں کھل کر آنے لگی تھیں۔ ہندی کو راشٹریہ بھاشا یعنی قومی زبان کا درجہ دے دیا گیا تھا اردو راندۂ درگاہ کردی گئی تھی۔ عربی کو تو مسلمان ویسے بھی چھوڑے بیٹھا تھا حالانکہ دین سے رشتہ کو مکمل طور سے استوار رکھنے کے لیے خصوصاً مدارس کے لیے تو عربی زبان سے واقفیت بلکہ اس میں مہارت بہرحال ضروری تھی۔ اسکول کالجوں میں ہندی لازمی کردی گئی تھی۔ ہمارے پوروج کے نام پر ویدک پیریڈ رامائنی اور مہابھارتی زبانوں کے دیوی دیوتاؤں، سادھو سنتوں اور راجاؤں پورھاؤں سے لے کر ۲۰ ویں صدی عیسوی کے مہاپرشوں کی جیون کتھائیں تو پڑھائی جارہی تھیں مگر کسی نبی یا ولی، عالم یا صوفی اور رہنما یا مصلح کی زندگی یا کارنامہ پر ایک صفحہ بھی کورس کی کتابوں میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔

اور مسلم اسٹوڈنٹس اپنے اسلاف حتیٰ کہ اپنے نبی و رسول محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اپنے پہلے کلمہ سے بھی بے خبر ہوتا چلا جارہا تھا۔ فلسفہ و سائنس میں مہارت حاصل کرنے کے شوق میں اپنے عقیدہ کو برباد کررہا تھا۔ ماڈرن مسلمان اور شیدایان نیچر پر تو اب بھی انگریزیت کا بھوت سوار تھا انھیں دین و ایمان سے کیا غرض اور قوم سے کیا ہمدردی۔ کل کے غدار، وہابیت کے علمبردار، آقائے فرنگ کے نمک خوار آج کے وفادار اور موجودہ حکومت کے وظیفہ خوار بن کر کرسی کی خاطر آیۃ الکرسی کو بھول چکے تھے اور نام نہاد قومی یکجہتی کے دھارے میں بہہ رہے تھے اور افراد قوم کو بھی آیۃ الکرسی سے رشتہ توڑ کر اسی دھارے میں بہنے کا خوشنما درس دے رہے تھے۔ قوم سے غداری اور دین بیزاری کا پاٹھ پڑھا رہے تھے۔

مسلمانوں کے لیے بڑی آفت تھی اور وہ سخت پریشانی میں مبتلا تھے۔ کہ وہ کون سا علم حاصل کریں۔ دین پر سختی سے قائم رہ کر دنیوی ترقی کیسے کریں۔ ان کی سماجی اقتصادی، سیاسی اور تعلیمی پوزیشن بحال کیسے ہو۔ حالانکہ دین فطرت اسلام نے کسی زبان یا فلسفہ و حکمت ریاضی و سائنس میڈیکل و انجینئرنگ سیاسیات و عمرانیات اور کامرس و معاشیات کی تعلیم سے روکا نہیں ہے۔ قرآن تو ہر جائز علم کا سرچشمہ ہے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ تعلیم دین کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کیسے حاصل کرے۔ علی گڑھ اور ندوہ کی تعلیم سے نیچریت اور منافقت کا ہی سبق مل سکا تھا۔ کہیں سے دنیوی دولت تو مل گئی تھی۔ دنیا تو حاصل ہوگئی تھی مگر اصل سرمایہ، سرمایہ دین ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ کہیں سے عربی زبان و ادب اور دین کا ناقص علم تو ہاتھ آگیا تھا مگر عقیدہ کے غارت ہونے کے ساتھ ساتھ دینی شعور بھی فنا ہوگیا تھا۔

مسلمانان اہلسنت کے ساتھ یہ بھی ایک مصیبت تھی کہ حکومت اور حکومتی اداروں میں ان کی رسائی نہیں تھی۔ بنام مسلم ملنے والی ہر مراعات سے فرزندان ندوہ و دیوبند فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اوقاف، اردو انجمنوں، اقلیتی اداروں اور دیگر شعبوں پر بھی یہی قابض تھے۔ دینی تعلیمی بورڈ پر بھی انھیں کا تسلط تھا آخر غربائے امت، مسلمانان اہلسنت کیا کرتے کدھر جاتے۔

مسئلہ کا حل موجود تھا۔ لیکن

لگا ہیں وہاں تک پہنچ نہیں رہی تھی یا دیگر مصروفیات جماعت کی عظیم شخصیتوں کو ادھر رخ کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھیں۔

بہر حال ان تمام مسائل کا حل امام احمد رضا ہی کی ٹیم اور انھیں کے سلسلہ سے اور وسیلہ سے ملا۔

امام احمد رضا کے خلفاء میں ایک تابناک شخصیت تھی ان کے ایک خلیفہ اجل ان کے مظہر اتم اور رفیق دم قدم صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی جن کی فقاہت کو امام احمد رضا نے بھی سراہا ہے اور جن کی تدریسی خدمات زمانہ پر روشن ہیں یہ وہی صدر الشریعہ ہیں جنھوں نے زبان اردو میں بہار شریعت کی شکل میں اسلامی قانون کا انسائیکلو پیڈیا عطا کیا ہے۔ اور شریعت کی بہاروں سے مسلمانوں کے عقیدہ وایمان کے گلزاروں کو عطر بیزی اور شادابی بخشی ہے۔

صدر الشریعہ شہر تدریس کے شہریار تھے اور اس شاہ بے تاج نے جانے کتنے تاجوران علم وفضل کو خلعتیں اور فرماں روائی عطا کی ہیں۔ علم وفضل کے اس جوہری نے جانے کتنے ہیروں کو تراش کر نئی آن بان دی ہے۔ اپنے وقت کے اس عظیم معلّم نے کتنی شخصیتوں کو نکھارا سنوارا ہے اور ان کی کردار سازی کی ہے۔

اسی عظیم المرتبت فاضل معلّم اور علم وحکمت کے جوہری کے تراشے ہوئے ہیروں اور اس کی سجائی ہوئی شخصیتوں میں ایک انمول ہیرا، ایک نایاب رتن اور ایک تاباں شخصیت کا نام ہے

—— استاذ العلماء جلالۃ العلم

حضرت علامہ مولانا حافظ ملت عبدالعزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری۔ بانی و سربراہ الجامعۃ الاشرفیہ۔ جنھیں زمانہ حافظ ملت کے لقب و خطاب سے یاد کرتا۔ جانتا اور مانتا ہے۔

حافظ ملت وہ خوش نصیب اور بیدار بخت انسان۔ مرد مسلمان ہیں جنھیں ہند کے راجہ حضرت خواجہ کی راجدھانی اجمیر اور امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا کے شہر مرکز اہلسنت بریلی کی مقدس سرزمینوں پر شب و روز گزار کر دین مصطفےٰ کے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کی سعادت ملی ہے اور جو ان دونوں بارگاہوں سے نوازے ہوئے اور اشرف و رضا کی نسبتوں سے جڑے ہوئے، علم وعمل، زہد وتقویٰ، اخلاق وکردار، حلم ومروت اور عزم واستقلال سے آراستہ و پیراستہ ۱۹۳۴ء میں حضرت صدر الشریعہ کے حکم پر مشرقی اتر پردیش کی ایک گمنام بستی، مبارک پور کے مدرسہ لطیفیہ مصباح العلوم کے مسند درس و تدریس پر فائز ہوتے ہیں تو علم کے چراغ جل اٹھتے ہیں اور روشنی پھیلنے بڑھنے لگتی ہے۔

حافظ ملت۔ باغ فردوس کے گل بوٹوں کو ایک نئی رعنائی، البیلا رنگ اور مستانی نکہت عطا کرتے ہوئے سینوں کے عقیدہ کی جنتوں کو مہکا دیتے ہیں۔ بلکہ کائنات علم وفضل بھی معطر و شاداب ہو جاتی ہے۔ حافظ ملت کے خون جگر سے ویرانوں میں دین کے گلشن لہلہا اٹھتے ہیں۔

تقسیم ملک تک حافظ ملت ایسے ایسے نادرۂ روزگار علماء وفضلاء تیار کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیتے ہیں کہ ان کے قدوم کی برکتوں سے بدمذہبیت کی لعنت ونحوست ہوا ہونے لگتی ہیں اور عقائد کفریہ و تحریکات باطلہ کے قدم اکھڑنے لگتے ہیں اور مبارک پور کی بستی گمنامی کی بستی سے نکل کر ناموری کی بلندی پر پہنچ جاتی ہے اور اب طالبان علم دین مصطفےٰ کے قدم جب گھر سے نکلتے ہیں تو مبارک پور کی سمت بڑھنے لگتے ہیں۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ۱۹۴۷ء کے بعد کے ملکی حالات کا ذکر کیا گیا۔ کس قدر بحرانی دور تھا۔ لوگ دیوانوں کی طرح سرحد اس پار بھاگ رہے تھے۔ حضور حافظ ملت نے اس موقع پر اپنی سیاسی بصیرت کا بھی ثبوت دیا اور ترک وطن کر کے جانے والوں کو مساجد ومدارس اور مزارات ومقابر اور ملک میں بقائے اسلام کی دہائی دے کر لوگوں کو غیرت دین دلا کر ترک وطن کرنے سے روکا اور انھیں کامیابی ملی اس پر موقع پرستوں اور چھچھورے سیاستدانوں نے انھیں مطعون بھی کیا لیکن یہ بے پروا اپنا کام کرتے رہے۔

شر پسندوں نے حضور حافظ ملت کو زنداں تک بھی بھجوایا مگر اس مرد بے باک اور حق گو نے رہائی کی خاطر کسی بھی مصلحت کو آڑے نہ آنے دیا۔ حافظ ملت کی حق گوئی

اوران کی استقامت نے حکام وعوام اور غیر مسلموں کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔ بالآخر انھیں باعزت رہائی ملی۔

دین وملت کی خاطر قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے، غلبۂ اسلام اور علم دین وعشق مصطفےٰ کی اشاعت کے لئے انتھک محنت اور جدوجہد کرنے والے ملت کے محافظ وپاسبان کبھی چین سے نہیں بیٹھے۔ مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی پسماندگی وبدحالی دور کرنے کی خاطر منصوبے بناتے رہے انھیں مرض مسلم بھی معلوم تھا اور اسے دور کرنے کی دوا اور اس کا علاج بھی معلوم تھا مگر وہ نسخہ کے صحیح اور بروقت استعمال کے منتظر تھے وہ اپنا کام جاری کئے ہوئے تھے۔ مسلک اہلسنت کی ترویج واشاعت کا کام،

وہ بپھرے ہوئے طوفانوں اور گرجتی ہوئی بجلیوں کے ہجوم میں بھی چلتے رہے ان کے قدم بڑھتے ہی جا رہے۔ حفاظ، قرار، ائمہ، مناظرین، واعظین، محدثین، مفسرین، اور اصحاب فقہ وافتا، ان کے کارخانے سے ڈھلتے رہے۔

باطل سے ہر محاذ ____________ پر نبرد آزمائی کے لئے ٹرینڈ دینی فوجی میدانوں میں آتے رہے۔ سماجی، معاشی تعلیمی انقلابات کے دروازے کھلتے رہے حافظ ملت علم وعمل سے آراستہ نوجوانوں کو کبھی بریلی، کبھی کچھوچھہ، کبھی مارہرہ روحانی رشتوں میں استوار ہونے کے لئے بھیجتے رہے۔ مفتی اعظم کی بارگاہ سے ان کی تیار کردہ جماعت کو سند بیعت کے ساتھ ساتھ ضیا وجلا بھی ملتی رہی۔ جب لوگوں نے انھیں مجبور کیا تو یہ خود بھی آقائے بریلی کے نام پر ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر انھیں رشد وہدایت اور تصوف کی منزل کا مسافر بناتے رہے۔

زندگیاں سنوارتے رہے۔ اعمال کے ساتھ ساتھ عقائد کو نکھارتے رہے۔

حافظ ملت نے زبان وقلم سے بھی خدمت دین کا فریضہ انجام دیا۔ جلسوں میں کانفرنسوں میں بھی حصہ لیتے رہے اور صفحات قرطاس پر بھی پیغام حق نقش کرتے رہے۔

المصباح الجدید کے ذریعہ قوم کو گمراہ فرقوں سے واقف کراکے عقیدہ وایمان کا تحفظ کیا۔ ارشاد القرآن کی تصنیف کے ذریعہ مسلمانوں کو ارشاد ربانی کی تعمیل کرکے زندگی وبندگی کو کامیابی اور قبولیت کا راز بتایا۔ اور ہر حیرانی وپریشانی کے سدباب کا طریقہ سکھایا۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر فلاح دارین کا فارمولہ عطا کیا۔ معارف حدیث کی تصنیف فرماکر سنت نبوی کی پیروی کی دعوت دی اور عشق ومعرفت کا درس حسین دیا۔

فتاوی رضویہ اور امام احمد رضا کی دیگر کتب ورسائل کی طباعت واشاعت کے ساتھ ساتھ سنی علماء ومشائخ کی تصانیف کو بھی منظر عام پر لانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ علمی، تاریخی، فقہی تحقیق کا سلسلہ بھی چل نکلا تھا۔ بڑے کام تھے بڑا منصوبہ تھا۔ جامعہ کی تعمیر آسان نہیں۔ اکیڈمی، دار الاشاعت، دار التصنیف، لائبریری، دار الترجمہ۔ تبلیغی سنٹر، جانے کتنے شعبوں کے قیام کا مسئلہ تھا۔

بالآخر اس مرد خدا اور غیرت مند عاشق مصطفےٰ نے اپنی عمر کی آخری منزل میں پہنچ کر منزل کو پا ہی لیا۔ لیکن تعمیر جامعہ سے قبل اس معمار قوم وملت نے اپنے گھر کی ایک شخصیت کی تعمیر کی اور یہ تعمیر یقیناً جامعہ سے قبل ضروری تھی۔ یہ تعمیر تھی حافظ ملت کی اپنے فرزند اکبر حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب موجودہ سربراہ الجامعۃ الاشرفیہ کی جنھیں دنیائے سنیت میں عزیز ملت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

عزیز ملت نے درجہ مولوی اور انٹرمیڈیٹ (سائنس میں) پاس کرنے کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی سے بی، ایس، سی، انجینئرنگ میں فرسٹ کلاس ڈگری حاصل کی، چند سالوں تک بحیثیت انجینئر کل پرزے ڈھالتے اور مشینوں کی آرائش کرتے رہے لیکن معمار قوم اور حافظ ملت کے بیٹے کو بھی اپنے والد گرامی کی طرح انسانی اخلاق وعادات سنوارنے تھے ایک بڑی تعمیر کی نگرانی کرنی تھی اور اسے چلانا تھا۔ لہٰذا اس مادی دور میں دنیوی دولت اور عہدہ افسری کو تج کر حافظ ملت نے بیٹے کو ایک عالم دین بنا دیا۔ ایک ایسا انجینئر جو انسانیت کی تعمیر کرے گا۔ کتنی عظیم قربانی دی سرکار حافظ ملت نے۔

اور پھر ۱۹۷۲ء میں ٹھیک اس سال کے سو سال بعد (کہ جس سال یعنی ۱۸۷۲ء میں سولہ سال کے ایک نوجوان فاضل۔ ایک مرد مجاہد

ر عبد المصطفےٰ۔ عبد المصطفےٰ امام احمد رضا
نے ناموس رسالت کی حفاظت اور عظمت
بیار و اولیاء کی پاسبانی کی تحریک چھیڑ دی
تھی اور علم و قلم کی طاقت پر باطل کے ایوان میں زلزلہ
پا کر دیا تھا۔ اور ہر سو عشق مصطفےٰ کے چراغ
جلنے لگے تھے) امام احمد رضا کے ایک
باز کیش حافظ ملت نے مبارکپور کی دھرتی
پر علم و حکمت کے ایک حسین تاج کی بنیاد رکھی
اور اس پر عظمت منار، اس قلعہ مستحکم اور شہرستان
علم و فن کا سنگ بنیاد تاجدار اہلسنت شہزادۂ
اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علامہ مولانا
مصطفےٰ رضا قادری علیہ الرحمۃ، سید العلماء حضرت
سید آل مصطفےٰ قادری برکاتی علیہ الرحمۃ
اور دیگر علماء و مشائخ علیہم الرحمۃ کے ہاتھوں
رکھا گیا۔

آج الجامعۃ الاشرفیہ میلوں
زمین پر پھیلا ہوا دور دور تک ۔ ملکوں ملکوں۔
نیات سمندر پار تک علم و معرفت کی روشنی
بکھیر رہا ہے۔ آج تشنگان علم سیراب ہونے
کے لئے مبارک پور آ رہے ہیں — آج
الجامعۃ الاشرفیہ میں غلبۂ اسلام حملۂ باطل سے
دفاع تعمیر انسانیت اور فلاح انسانی کا ہر
سامان و سامان موجود ہے اور اس ہیڈ کوارٹر
سے بھی خوبصورت کارنامے انجام دیئے جا رہے
ہیں۔ آج ہند کے طول و عرض پاک و بنگلہ دیش،
لنکا اور نیپال کی سرحدوں سے اس پار،
ممالک عرب اور بحر ہند و بحیرۂ عرب سے
بہت دور برطانیہ و ہالینڈ، امریکہ و افریقہ اور
موریشش بر ہ میں اشرفیہ کے فارغین۔ حافظ
ملت کے تربیت یافتہ اور ان کے فیوض و برکات
سے مالا مال مبلغین، مدرسین، واعظین،
مناظرین صحافت و اشاعت کے ماہرین، ادباء
مصنفین اور مفکرین دانشوران خدمت دین،
تبلیغ اسلام اور پیغام الٰہی و پیغام رسالت
پناہی عام کرنے میں مصروف ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ دین
و سنیت کا پاسبان اور امام احمد رضا کے
مسلک عشق و عرفان کا ترجمان ہے۔ پیغام اسلام
بریلی سے براڈ کاسٹ ہو رہا ہے اور مبارکپور
ریڈیو بن کر گھر گھر شہر شہر اسے پہنچا رہا ہے جو دریائے
علم بریلی میں رواں ہے اس کا چشمہ اور اس کی
نہریں مبارک پور میں بہہ رہی ہیں پیاسوں کی
پیاس بجھائی جا رہی ہے اور کشت علم و عرفان
کو سیراب کیا جا رہا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ بلاشبہ
ایک تحریک ہے۔ ایک اسلامی تحریک، قرآنی
علوم کے ترویج و اشاعت اور نشاۃ ثانیہ کی تحریک۔
جس نے ہر کارنامہ حق تحریک بریلی کے آئینہ
میں انجام دیا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ، ایک عظیم
عربی، دینی اور اسلامی جامعہ صرف چند وسیع
و عریض عمارتوں اور اونچے اونچے گنبدوں اور
میناروں پر مشتمل کسی عظیم الشان بلڈنگ کا نام
نہیں ہے بلکہ اسلامی علوم و فنون کے گہوارہ
اور متعدد علماء و مشائخ کے منصوبوں کی تکمیل۔
حافظ ملت کے خوابوں کی تعبیر اور فضاؤں میں
بکھر جانے والے پیغامات جمیلہ و صفحات قرطاس
پر نقش کئے جانے والے خیالات و افکار جلیلہ
کی ایک مرئی شکل کا نام ہے جو ایک عظیم الشان
عمارت، ایک عظیم جامعہ کی شکل میں مبارکپور
کی میلوں پھیلی ہوئی زمین پر کھڑا ہوا کفر و شرک
ضلالت و جہالت کو للکارتا ہوا، مسلمانوں کو یہی
پیغام دے رہا ہے ؎

زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو
اس زمیں کی پستیوں پر آسماں بن کر رہو

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

یہ ہے کارنامہ حافظ ملت، الجامعۃ الاشرفیہ
جس کے حسن پر تاج کا جمال قربان جس کی عظمت
پر قطب کا جلال قربان اور جس کی رفعت کے
سامنے کوہ ہمالیہ خود کو بونا محسوس کرتا ہے۔

دولت و ثروت اور کج کلاہی و فرمانروائی
کے بل بوتے پر تاج محل اور قطب مینار
کی تعمیر مشکل کام نہیں، تاج محل ایک شہنشاہ
کی اپنی محبت کی یادگار اور قطب مینار ایک
سلطان کی اپنی شوکت کا اظہار ہے مگر
الجامعۃ الاشرفیہ جمال تقویٰ کا اظہار اور عشق
رسالت پناہی کی یادگار ہے۔

اور آج اس کے معمار کی اپنی آرام گاہ بھی
اسی جامعہ کے ایک خطہ زمین پر بنی ہوئی نور
کی برسات کر رہی ہے۔

۔یہاں مسجد بھی
ہے۔ مدرسہ بھی اور خانقاہ بھی۔

آج ہم بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تقسیم

ہند کے بعد۔

ملک میں اہلسنّت وجماعت کے اندر تاریخ وادب کا مذاق اور علمی ودینی تعلیم وتحقیق کی ایک نئی روایت اشرفیہ نے قائم کی۔

مسلک اہلسنّت کی نشرواشاعت میں تیزی اور گرمی اشرفیہ نے پیدا کی۔ امام احمد رضا کی کتب ورسائل کی طباعت واشاعت نیز انھیں ترتیب جدید کے ساتھ منظر عام پر لانے کا کام اشرفیہ نے انجام دیا۔

۱۴ ردیں صدی ہجری کے مجدد۔ فاضل بریلوی امام احمد رضا نور اللہ مرقدہٗ کے تجدیدی تبلیغی اور علمی کارناموں کو اجاگر کرنے۔ اور ان کے علمی کارناموں پر تصنیفی تحقیقی اور اشاعتی کام کرنے کی پہل اشرفیہ نے کی۔

دینی تعلیم کو فروغ اشرفیہ نے دیا۔ طلبائے اسلام وعلمائے دین کو جدید تعلیم یافتہ پروفیسروں اور دانشوروں کے سامنے ایک نئی جرأت واحساس اور وقار وطمانیت کے ساتھ اشرفیہ نے لاکر کھڑا کر دیا۔

مغربیت کے سامنے مشرقیت کو سرخرو اشرفیہ نے کیا۔ قدیم وجدید کو اسلامی دائرہ کار میں شیر وشکر اشرفیہ نے کیا۔

مسلمانوں کے جمود میں ایک نئی حرارت وزندگی اشرفیہ نے پیدا کی۔ اور انھیں جہد وعمل کی راہ اشرفیہ نے دکھائی۔

نوٹ:۔ اس مقالہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتب ورسائل سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔ تاریخ نجد وحجاز

ماہنامہ حجاز جدید دہلی

علامہ عبد القیوم ہزاروی

۲۔ تاریخ وہابیہ

علامہ محمد رمضان علی

۳۔ حافظ ملت نمبر

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

۴۔ امام احمد رضا نمبر

المیزان۔ بمبئی

درود شریف

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْحَبِیْبِ الْعَالِی الْقَدْرِ الْعَظِیْمِ الْجَاهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ

(ترجمہ) "یا اللہ درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نبی امی ہیں، حبیب ہیں، عالی قدر، بڑے مرتبے والے ہیں اور ان کی آل اور اصحاب پر بھی درود وسلام ہو۔"

(جواہر البحار، جزو ۴، صفحہ ۳۰)

خاصیت: ہر شب جمعہ کو خواہ ایک بار پڑھے (زیارت ہوگی) اسکار کی تشریف آوری لحد میں بھی ہوگی۔

اداریوں کے ذریعہ ملّی جمود توڑنے کا عظیم کارنامہ

اللہ تعالیٰ ماہنامہ "حجاز جدید" کو عمر خضر عطا فرمائے اور آپ جیسے دیدہ ور صحافی اور مشفق رہنما کا مبارک سایہ ہم پر گہرا رکھے۔ آمین

ماہنامہ حجاز دانشوران ملت کے اہمیت تالیف وتصنیف اور تعلیم وتنظیم پر اچھوتے اور رہنما مضامین اور احساسات کو جھنجھوڑنے والے اداریوں کے ذریعہ ملی جمود کو توڑنے کا جو عظیم کارنامہ انجام دے رہا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ابھی مارچ کے حجاز میں حضرت مولانا محمد علی قاضی مصباحی کا ایک فکر انگیز مضمون بعنوان "تالیف وتصنیف ایک اہم ضرورت" شائع ہوا ہے اس مضمون میں "ذیلی عنوان (۱) اسلامی مدارس کے لئے (۲) عوامی تنظیموں کے لئے" قائم کرکے حسب دستور رہنمایان دور حاضرہ کچھ پروگرام پیش کرکے الگ ہو گئے۔

اس سلسلے میں ناچیز کا ایک مشورہ ہے کہ اس بات کو آگے بڑھاکر موجودہ تنظیموں کے عملی کارناموں کو سامنے لاکر جذبہ عمل کو عام کرنے کے لئے ماہنامہ حجاز میں یہ دو مستقل عنوان "(۱) ہمارا مدرسہ ہمارا انتظام (۲) ہماری تنظیم ہمارا کام" قائم کرکے ذمہ داران تنظیمات ومدارس کو دعوت دی جائے کہ وہ اپنے اپنے اداروں کے طریقہ کار اور ان کی خدمات پر ایک معلوماتی مضمون لکھ کر ان مستقل عنوانوں کے تحت شائع کرانے کے لئے ماہنامہ حجاز کو بھیج دیں۔

یہ تحریک بے حد مفید رہے گی بڑی بڑی تنظیموں کے کارناموں کو دیکھ کر چھوٹی تنظیموں کے حوصلے بڑھیں گے اور منجمد اداروں میں بھی حرکت پیدا ہوگی انشاء اللہ۔ والسلام

ظہور احمد اشرفی، خادم آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت باسنی۔ ناگور۔ راجستھان

دینی و تبلیغی سرگرمیاں

(ادارہ)

جشن ختم بخاری شریف، رائے پور ایم۔پی

۲۵ مارچ بروز اتوار ۱۰ بجے دن مدرسہ اصلاح المسلمین و دارالیتامیٰ رائے پور میں سرزمین چھتیس گڑھ کے لئے پہلی بار تاریخ ساز ختم بخاری شریف کا انعقاد ہوا۔ مدرسہ کے محسن ملت ہال میں اس عظیم الشان و بصیرت افروز پروگرام میں اطراف و جوانب کے ہزارہا لوگوں نے شرکت فرمائی۔ ختم بخاری شہزادہ مخدوم پاک پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ ظل حسن صاحب قبلہ کچھوچھہ مقدسہ نے فرمائی۔ آپ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فقیر نے اس طرح کے سینکڑوں پروگراموں میں شرکت کی ہے مگر جو روحانی مناظر اور رحمت و نور کی بارش مجھے اس بزم میں نظر آئی میں نے ایسا منظر اور کہیں نہیں دیکھا یقیناً یہ حضرت محسن ملت علیہ الرحمۃ کی کرامت اور غوث پاک و سرکار غریب نواز کی خصوصی نظر کرم کا صدقہ ہے۔

جلسہ کی اختتامی تقریر میں جانشین محسن ملت حضرت مولانا محمد علی فاروقی نے مدرسہ کی ۶۰ سالہ خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ وائس چانسلر روی شنکر یونیورسٹی کی موجودگی میں علی گڑھ، بھوپال اور ناگپور یونیورسٹی کے امتحانات میں کامیاب طلباء کو سندیں تقسیم کی گئیں اور آئی ٹی آئی کے سلسلے میں پیش قدمی کی گئی۔

رات دس بجے جشن دستار فضیلت میں ۱۴ طلباء کو دستار سے نوازا گیا۔ اس طرح صلوٰۃ و سلام پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

محمد علی فاروقی مدرسہ اصلاح المسلمین
و دارالیتامیٰ و مسلم یتیم خانہ رائے پور (ایم۔پی)

جشن دستار فضیلت! جامعہ قادریہ مقصود پور مظفر پور

۱۸، ۱۹ مئی ۹۰ء کو جامعہ قادریہ مقصود پور کی فلک بوس عمارت کے زیر سایہ دو روزہ اجلاس بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ جانشین مفتی اعظم سرکار اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری میاں مدظلہ العالی بھی جلوہ افروز تھے اور آپ کے ہاتھوں پر لوگوں نے سینکڑوں کی تعداد میں بیعت حاصل کی۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا صغیر احمد صاحب قبلہ جوکھن پور بریلی شریف۔ حضرت مولانا جمال احمد صاحب نوادہ۔ حضرت مولانا مفتی عبدالحلیم صاحب ناگپور۔ حضرت مولانا شبیہ القادری صاحب سیوان۔ حضرت مولانا شبنم کمالی صاحب لوام۔ حضرت مولانا محبوب رضا صاحب دربھنگہ۔ حضرت مولانا عباس صاحب پیلی بھیت شریف۔ حضرت مولانا فیضان علی صاحب فیض پور۔ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب مظفر پور۔ حضرت مولانا ابراہیم رضا صاحب ویشالی اور مقامی علماء بھی تشریف فرما تھے۔

شعراء کرام میں حضرت حیدر لاری صاحب۔ حضرت رئیس کوثر بھاگل پور۔ حضرت انجم کمالی صاحب پوکھریرا۔ حضرت جابر اختر سلطان پوری۔ حضرت قاری شاہد رضا صاحب دارالعلوم ہذا۔ حضرت حافظ بلال انور رضوی دارالعلوم ہذا۔ اور مقامی شعراء بھی موجود تھے ان لوگوں نے

بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں خراج عقیدت پیش فرمایا۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب قبلہ گجرات صدارت فرما رہے تھے۔ حضرت مولانا مقصود عالم صاحب نقابت کا کام انجام دے رہے تھے۔ حضرت علامہ مفتی محمد اسلم صاحب رضوی مہتمم دار العلوم ہذا اور حضرت مولانا الحاج نسیم الدین صاحب رضوی نائب مہتمم دار العلوم ہذا ان دونوں حضرات کی کوشش سے جلسہ کا انعقاد ہوا۔ اور ۲۰ حفاظ اور قراء کی دستار بندی ہوئی۔ اور جلسہ کا اختتام صلوٰۃ وسلام پر ہوا۔

محمد ارشد رضوی و محمد پیارے رضوی
ناظم نشر و اشاعت انجمن گلشن رضا دار العلوم
جامعہ قادریہ مقصود پور اورائی مظفر پور (بہار)

انجمن اجملیہ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کا سالانہ نعتیہ مشاعرہ

بسلسلہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انجمن اجملیہ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کا سالانہ نعتیہ مشاعرہ ۲۹ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۹۰ء بروز دوشنبہ بعد نماز عشا زیر سرپرستی حضرت مولانا سید شاہ محمد افضل اجملی سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل اپنی دیرینہ روایت کے مطابق شمالی ہند کے اہم ادبی و مذہبی مرکز دائرہ شاہ اجمل الہ آباد میں انعقاد پذیر ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت ڈاکٹر طفیل احمد مدنی شعبۂ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی نے فرمائی۔ نظامت کے فرائض جناب سید محمد اکمل اجملی نائب سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل نے ادا کیے۔ مشاعرہ کا آغاز جناب سید محمد اکمل اجملی نائب سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل نے آیت معراج سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کی تلاوت سے کیا۔ نائب سجادہ نشین موصوف نے اسی آیت کو اپنا عنوان بناتے ہوئے واقعہ معراج پر روشنی ڈالی۔ حضرت موصوف کی تقریر کے بعد شعرائے کرام نے اپنی اپنی نعت کے نذرانے پیش کیے۔

ارمان غازی پوری
سکریٹری انجمن اجملیہ دائرہ شاہ اجمل الہ آباد

انجمن فیضان ملت فیض العلوم جمشید پور

بتاریخ ۲۵ مئی ۱۹۹۰ء انجمن فیضان ملت فیض العلوم کا سالانہ جلسہ انتخاب ہوا جس میں اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل عہدیدار منتخب کیے گئے۔

سرپرست علامہ ارشد القادری، صدر مولانا طیب علی، نائب صدر مولانا عبد الغفار، سکریٹری مولانا عابد حسین ناظم اشاعت۔ مولانا نصیر احمد، نائب سکریٹری مولوی نظر الحسن، لائبریرین مولوی فاروق القادری و مولوی سمیع اختر۔

انتخابی عمل کی تکمیل کے بعد دوسرے دن انجمن فیضان ملت فیض العلوم کے زیر اہتمام صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت کا عرس پاک نہایت باوقار انداز میں منایا گیا جس میں اساتذہ و طلبا فیض العلوم نے اپنی تقریروں میں حضور صدر الشریعہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ قاری روح الامین اور قاری محمد عالم کی تلاوت قرآن کریم سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ پھر نعت و منقبت کے بعد پُر مغز تقریروں کا شاندار سلسلہ مولانا خورشید عالم بھاگلپوری کی اناؤنسری میں نہایت عمدگی سے رات کے ایک بجے تک چلتا رہا۔ آغاز میں طلبا فیض العلوم نے تقریریں کیں۔ طلبا کی تقریر کے بعد سکریٹری انجمن مولانا عابد حسین اور استاذ الحدیث مولانا طیب علی مدرسین فیض العلوم نے سامعین سے خطاب فرمایا۔ یہ جلسہ صلوٰۃ و سلام اور دعا پر نہایت کامیاب طریقہ سے شب کے ایک بجے اختتام پذیر ہوا۔

ناظم اشاعت:۔ نصیر احمد سمبلپوری
مدرسہ فیض العلوم جمشید پور

انجمن فیض رضا وارانسی

"الجامعۃ الفاروقیۃ" وارانسی میں طلبا کی انجمن بنام "انجمن فیض رضا" کے ماتحت جملہ علوم و فنون پر مشتمل ایک لائبریری ہے اور ہر ہفتہ کی شب کو "بزم شعر و ادب" کا شاندار اہتمام ہوتا ہے اور خوش مذاق متعلمین نعت و تقاریر اور علمی مذاکرات میں دل کھول کر حصہ لیتے ہیں ۲۵ مئی ۹۰ء کو انتخابی نشست منعقد ہوئی اور ہر شعبہ کے کچھ بیدار مغز طلبا انجمن کے ارکان خصوصی منتخب کیے گئے۔ صدارت و سرپرستی کا عہدہ جناب مولانا عبد الہادی و حضرت مولانا سید اصغر امام قادری

مصباحی صاحبان نے قبول فرمایا۔
محمد ارشد رضا کیف الاعظمی
جامعہ فاروقیہ۔ ریوڑی تالاب۔ وارانسی

تدوین قرآن کا دوسرا ایڈیشن

مصنفہ حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، رکن المجمع الاسلامی جو قرآن کی تدوین و ترتیب اور اس سے متعلق بہت سے اہم موضوعات پر ایک تحقیقی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور عرصے سے نایاب تھی، اس کا دوسرا ایڈیشن نہایت آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔ قرآنی علوم و معارف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک نایاب تحفہ سے کم نہیں، ہدیہ /۲۰ روپے خوبصورت دبیز ٹائیٹل، عمدہ کاغذ، آفسیٹ کی جاذب نظر طباعت۔ بھیکر منگانے والے حضرات ۲۵ ر روپے کا منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعہ حاصل کریں۔

پتہ:۔ مینیجر المجمع الاسلامی، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو (اعظم گڑھ) یوپی

مولانا فتح احمد بستوی مصباحی کو مبارکباد

انجمن کوثر کے زیر اہتمام نوری مسجد الاتفاق چال قریش نگر کرلا ایسٹ بمبئی ۷۰ میں گزشتہ ایک سال قبل حضرت مولانا حافظ و قاری فتح احمد بستوی مصباحی کی آمد کے بعد سے مسجد و محلہ میں رونق و بہار آگئی ہے محرم، بقر عید اور دیگر موقعوں پر مختلف اور ضروری موضوعات پر عمدہ اور آسان وعظ و نصیحت بالخصوص ماہ شعبان وشب برات کا پیغام نشر کر کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا اور پھر امسال رمضان المبارک کی سترہویں تراویح میں ختم قرآن فرماکر ایک اچھا ریکارڈ قائم کر دیا۔

عید الفطر سے اب تک ہر جمعہ کو متواتر نماز کی فضیلت و اہمیت اور بے نمازیوں کی عقوبت و صعوبت بیان فرماکر کئی لوگوں کو پنج وقتہ باجماعت نمازی بنادیا اور کئی لوگوں کو داڑھیاں بھی رکھوائیں ابھی بھی نماز ہی سے متعلق تقریر جاری ہے جس سے انشاء اللہ مستقبل قریب میں اور بھی خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔ موصوف کی وجہ سے ہماری انجمن و مسجد کا بھی کافی فائدہ اور شہرہ ہو رہا ہے۔

واضح ہو کہ مولانا موصوف دہلی سے نکلنے والے ماہنامہ "حجاز جدید" کے نائب ایڈیٹر ہیں اور یہاں اس کا برانچ آفس قائم کر کے اس کی خدمت کرتے ہوئے دار العلوم غوثیہ عبد الغفور خاں اسٹیٹ کرلا بمبئی ۷۰ میں پڑھاتے بھی ہیں۔ اردو ٹائمز، انقلاب، ہندوستان روزناموں کے علاوہ دیگر معیاری اخبار و رسائل میں مولانا کے مذہبی اور اصلاحی مضامین کے ساتھ مفید اور معلوماتی اعلانات و مراسلات بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کئی تنظیموں سے وابستہ اور انفرادی طور پر تحریر و تقریر اور تدریس و تبلیغ کے ذریعہ مذہب و ملت اور قوم و وطن کی خدمت کر رہے ہیں مولی تعالیٰ آپ کی عمر و صحت میں برکت فرماکر اور بھی اچھے کارنامے انجام دینے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین

۲۲ر مئی ۱۹۹۰ء منگل کی صبح مولانا کی بچی کی ولادت پر ہم لوگ مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس کے حق میں دعا خیر کرتے ہیں۔

صدر و سکریٹری و اراکین و ممبران انجمن کوثر
نوری مسجد الاتفاق چال قریش نگر کرلا ایسٹ
بمبئی ۷۰

مغربی بنگال گورنرس۔ اردو خطاطی ایوارڈ

مغربی بنگال اردو اکادمی نے مغربی بنگال گورنرس اردو خطاطی ایوارڈ برائے سال ۱۹۸۹ء کل ہند پیمانے پر خطاطی کے بہترین نمونے پر جناب مولانا محمد رفیق عالم، کتاب منزل گوی محلہ ہبلی (کرناٹک) کو انعام کا مستحق قرار دیا ہے انعام کی رقم پانچ ہزار روپے ہے۔ (سکریٹری)



دہلی میں اہلسنت کی کتابوں کا واحد مرکز

ہماری نئی مطبوعات

جامع کراماتِ اولیاء	علامہ یوسف نبہانی	۸۰-۰۰	نمازیں اور دعائیں	مفتی محمد خلیل خاں برکاتی	۳۰-۰۰
مقالاتِ کاظمی اوّل	علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی	۴۲-۰۰	اسلام میں پردہ	” ”	۲۵-۰۰
آئینۂ اسلام ؛ بچوں کیلئے نہایت آسان اور مکمل دینی نصاب			شریعت و طریقت	” ”	۲۵-۰۰
درود تاج پر اعتراضات کے جوابات		۱۲-۰۰	عقائد اسلام	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۳۰-۰۰
انوارِ احمدی علامہ شاہ انوار اللہ حیدرآباد (تلخیص) علامہ ارشد القادری		۲۵/-	غوث الوریٰ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۵-۰۰

لسان الفردوس تصنیف علامہ ارشد القادری. عربی زبان میں دینی تعلیم کا جدید نصاب کئی حصوں میں (دروس اللغۃ العربیہ کی تلخیص و تسہیل)

زلزلہ	۱۶-۰۰	زیارتِ قبور	۲-۰۰	میلادِ مصطفیٰ	۸-۰۰	رسائل نعیمیہ	۴۵-۰۰
زیروزبر	۲۷-۰۰	طریقۂ فاتحہ	۲-۰۰	ارشاداتِ اعلیٰحضرت	۱۲-۰۰	ہمارا اسلام	۵۰-۰۰
لالہ زار	۲۳-۰۰	دورِ حاضر میں منکرین رسالت	۳-۵۰	نقش سلیمانی	۲۵-۰۰	خطبات ربانی مکمل	۲۰-۰۰
تبلیغی جماعت	۲۵-۰۰	ایک سفر دہلی سے سہارنپور تک	۳-۰۰	تذکرۃ الاولیاء	۴۵-۰۰	شانِ خطابت	۱۲-۰۰
تعزیراتِ قلم	۱۰-۰۰	انوار الحدیث اردو	۳۶-۰۰	بہارِ شریعت (کامل)	۱۸۰-۰۰	مجموعۂ اعمال رضا	۳۰-۰۰
جماعتِ اسلامی	۱۲-۰۰	فقہی پہیلیاں	۲۲-۰۰	میلادِ اکبر	۶-۰۰	مزارات پر عورتوں کی حاضری	۳-۵۰
نقشِ کربلا	۱۲-۰۰	خطبات محرم	۴۰-۰۰	وظائف رضویہ	۱۵-۰۰	اذان قبر	۲-۵۰
نقشِ خاتم	۴-۰۰	انوار الحدیث ہندی	۲۴-۰۰	قصص الانبیاء (کلاں)	۳۵-۰۰	قانون شریعت کامل	۳۵-۰۰
سرکار کا جسم بے سایہ	۳-۵۰	انوار شریعت اردو، ہندی	۶-۰۰	جنتی زیور	۴۰-۰۰	فتاویٰ رضویہ اول تا پنجم	۱۶۰-۰۰
آیئے حج کریں	۳-۵۰	محققانہ فیصلہ ” ”	۳-۰۰	سیرۃ المصطفیٰ	۴۵-۰۰	نظام شریعت	۲۵-۰۰
جلوۂ حق	۳-۵۰	مکاشفۃ القلوب	۵۵-۰۰	سامان آخرت	۴۰-۰۰	جانِ جاناں	۲۵-۰۰
بیس تقریریں	۳۰-۰۰	کشف المحجوب	۵۰-۰۰	نورانی تقریریں	۱۷-۰۰	وسیلے کی شرعی حیثیت	۶-۰۰
محمد رسول اللہ قرآن میں	۳-۵۰	سبع سنابل شریف	۴۲-۰۰	فیوض یزدانی	۸۵-۰۰	حیاۃ النبی	۳-۰۰
شریعت	۶-۰۰	سنی بہشتی زیور کامل	۴۰-۰۰	غنیۃ الطالبین	۷۰-۰۰	خطباتِ برطانیہ	۲۵-۰۰
دل کی مراد	۳-۵۰	عمل الیوم واللیل	۲۰-۰۰	عرفانی تقریریں	۱۶-۰۰	نعیمی خطبات کامل	۸۷-۰۰
احکام شریعت	۲۵-۰۰	سوانح کربلا	۸-۰۰	قرآنی تقریریں	۱۸-۰۰	شہید ابن شہید	۳۵-۰۰
دلائل الخیرات شریف	۳۲-۰۰	سچی نماز	۸-۰۰	آئینۂ عبرت	۱۰-۰۰	نفحات الانس	۱۲۵-۰۰
فضائلِ درود	۱۸-۰۰	دعوتِ فکر	۱۲-۰۰	تاریخ الخلفاء	۵۵-۰۰	شمس المعارف الکبریٰ	۹۵-۰۰
بارہ تقریریں	۲۰-۰۰	خطبات ربانی اول و دوم	۲۰-۰۰	جاء الحق	۵۰-۰۰	فیصلۂ ہفت مسئلہ	۳۵-۰۰
کراماتِ صحابہ	۱۰-۰۰	شمع شبستانِ رضا مکمل	۴۰-۰۰	عورتوں کی حکایات	۲۷-۰۰	المعجزات	۳۰-۰۰
نماز کی تعلیم	۶-۰۰	حدائقِ بخشش	۲۸-۰۰	سچی حکایات (کامل)	۹۰-۰۰	سیرت غوث اعظم	۲۸-۰۰
جوانی کی حفاظت	۵-۰۰	حق و باطل کی جنگ	۸-۰۰	شان حبیب الرحمٰن	۲۰-۰۰	سلطنت مصطفیٰ	۵-۰۰
رسولِ کریم	۸-۰۰	عورتوں کی نماز	۳-۰۰	خطبات (کامل)	۵۰-۰۰	میلاد رحمۃ للعالمین اردو	۱۰-۰۰
رہبر و رہنما	۲-۰۰	انتخاب اجمل	۳-۰۰	شواہد النبوۃ	۴۰-۰۰	اسلامی زندگی	۱۰-۰۰
الوظیفۃ الکریمہ	۱-۵۰	بیکل ”	۳-۰۰	کیمیائے سعادت	۱۲۵-۰۰	مدارج النبوۃ	۲۲۵-۰۰
تبلیغی جماعت کا فریب	۲-۰۰	بارش رحمت	۳-۰۰	سرورِ کونین کی فصاحت	۴۰-۰۰	محاسن شریعت	۲۰-۰۰

نوٹ :- اپنی مطبوعات کے علاوہ دیگر اداروں کی مطبوعات بھی مناسب ہدیہ پر سپلائی کرتے ہیں فہرستِ کتب مفت طلب فرمائیں۔

مکتبہ جام نور ۴۱/۲۲۴۱ کوچہ چیلان دریا گنج نئی دہلی